مجدد علوم سیرتؐ

فاؤنڈیشن فار اسلامک اسٹڈیز (FIS) رادھنہ کی پیش کش

مجدد علوم سیرت

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ

(آف پیرس)

(حیات وخدمات سے متعلق بلند پایہ تحریروں کا مختصر مجموعہ)

مرتب

غطریف شہباز ندوی

ناشر

فاؤنڈیشن فار اسلامک اسٹڈیز، نئی دہلی ۲۵

مطبوعات فاؤنڈیشن فار اسلامک اسٹڈیز نمبر ۳

نام کتاب : مجدد علوم سیرت ڈاکٹر محمد حمید اللہ
مؤلف : غطریف شہباز ندوی
صفحات : ۱۲۰
سنہ اشاعت : ۲۰۰۳ء
قیمت : 40.00 روپے

ناشر :فاؤنڈیشن فار اسلامک اسٹڈیز، M-96/A، IIفلور، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

ملنے کے دیگر پتے:

۱۔ فاؤنڈیشن فار اسلامک اسٹڈیز، E-87، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی۔۲۵
۲۔ اپلائیڈ پبلیکیشنز، 2724-25A/16 Ist Floor، میٹرو پول، عقب موتی محل ریسٹورینٹ دریا گنج، نئی دہلی ۲
۳۔ افکار پبلیکیشنز 632/9 ذاکر نگر، نئی دہلی ۲۵
۴۔ نیو کریسنٹ پبلشنگ کمپنی 2035 گلی قاسم جان، بلی ماران، دہلی۔۶
۵۔ ابجد پبلیکیشنز ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵
۶۔ ضیاء پبلشرز K-119، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

فہرست

فاؤنڈیشن کا علمی اور تحقیقی منصوبہ اور اپیل

فاؤنڈیشن فار اسلامک اسٹڈیز ایک علمی وتحقیقی ادارہ ہے۔ جو ہر قسم کے تعصب سے بالاتر ہو کر اس میدان میں کام کر رہا ہے۔ اس کے تحقیقی کام کا مرکز ومحور قرآن وسنت اور تاریخ اسلام ہے۔ فی الحال ہمارا تحقیقی منصوبہ درج ذیل ہے۔

۱۔ تفسیر مفتاح القرآن (عربی اردو) ایک ضخیم اور تحقیقی تفسیر ہے اس کی نشر واشاعت کے ساتھ ہی اس کی منتخب تحقیقات کی تلخیص منظر عام پر لانا۔

۲۔ قرآنیات کا ایک وسیع لغت مفردات راغب کے طرز پر شائع کرنا۔

۳۔ تحفۃ القاری شرح صحیح البخاری (عربی ۱۹ جلد) بخاری شریف کی ایک مفصل اور علمی شرح ہے۔ اس میں صحاح ستہ کے علاوہ دوسری اہم کتب حدیث کی احادیث کی تحقیق بھی کی گئی ہے۔

۴۔ شرح مسند احمد بن حنبل (اردو ۱۳ جلد) مکمل ومفصل شرح

۵۔ تقریب المال فی اصول حدیث الرسول (عربی اردو) اصول حدیث پر ایک مختصر تحقیقی اور آسان رسالہ

۶۔ بخاری شریف کا مطالعہ (بعض احادیث کی تحقیق وتنقید) ۱۳ اجزاء

۷۔ اس کے علاوہ تاریخ اسلام اور فکر اسلامی سے متعلق بعض معرکۃ الآراء موضوعات پر تحقیقی کتابیں

۸۔ نیا عالمی نظام، گلوبلائزیشن اور اسلام (آسان اور سادہ اسلوب میں تحریکی کارکنوں علماء وطلبۂ مدارس کے لیے ایک بہترین کتاب۔)

فاؤنڈیشن فار اسلامک اسٹڈیز ایک پرائیوٹ ادارہ ہے جسے کوئی سرکاری یا غیر سرکاری امداد نہیں ملتی۔ ہمارا تحقیقی منصوبہ یکسوئی اور زبردست مالی وسایل چاہتا ہے۔ افسوس ہے کہ مالی وسائل بالکل نہ ہونے کے باعث ہماری رفتار کار انتہائی سست ہے۔ یہ علمی پروجیکٹ اپنی تکمیل کے لئے اللہ کی نصرت اور اصحاب خیر کے تعاون کا محتاج ہے۔ ہم اللہ کی نصرت کے بھروسہ پر کام کا آغاز کر چکے ہیں۔ اور فاؤنڈیشن کی دو کتابیں پہلے منظر عام پر آچکی ہیں۔ ایک یہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اور کئی کمپوزنگ کے مرحلہ میں ہیں۔ ان کی طباعت واشاعت کے لئے بڑا سرمایہ درکار ہے۔ ہم اپنے قارئین اور اصحاب خیر سے اپیل کرتے ہیں کہ اس سلسلہ میں ہمارا تعاون کریں اور عنداللہ ماجور ہوں۔

ترسیل زر کا پتہ: (منی آرڈر سے)

فاؤنڈیشن فار اسلامک اسٹڈیز

M-96/A، II فلور، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی۔۲۵

عرض مرتب

علم وتحقیق عمل صالح اور ورع وتقوی میں ڈاکٹر حمید اللہ صاحب صدی کے آدمی تھے۔ وہ بلالحاظ مسلک ومشرب پوری امت کا سرمایہ اور اس کی مشترکہ میراث تھے۔ ان کی وفات عالم اسلام کا ایک ناقابل تلافی خسارہ ہے۔ مشرق کا گوہر آب دار مغرب میں جا سویا لیکن مشرق اور بالخصوص ہندوستان کے مسلمان، جہاں اس عظیم شخصیت نے آنکھ کھولی اور پلی بڑھی، ان کے سلسلہ میں کچھ نہیں جانتے۔ گرچہ یہ حقیقت ہے کہ ہم ایک عہد فراموش دور میں جی رہے ہیں جہاں ہر چیز کو ایسے بھلا دیا جاتا ہے جیسے وہ تھی ہی نہیں۔ تاہم عوام تو عوام، علماء، اسلامی تحریکات اور اسلامی علوم کے طلبہ کا ایسے گوہر نایاب اور متاع بے بہا کے بارے میں تجاہل، تغافل اور ناآشنائی کا یہ رویہ جس کا ایک عمومی مشاہدہ جارہا ہے ایک ملی المیہ اور ہماری تاریخ کے ایک عبرت ناک باب سے کم نہیں۔ خصوصاً ایسے دور میں جب کہ آج درباری مدعیان علم اور فرقوں و جماعتوں کے قائدین پر روز سمینار ہوتے ہیں اور اخباری شہرت رکھنے والے ہما وشما پر خصوصی نمبرات شائع کئے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب جیسے آفتاب علم کا غروب ہونا کوئی ایسا معمولی واقعہ نہیں جس پر یونہی گزر جایا جاے۔ آج مغرب اور مشرق میں یہی فرق ہے مغرب ایسے فضلاء کو آنکھوں پر بٹھاتا ہے اور مشرق ان سے تجاہل برتتا ہے۔ پھر جبکہ علمی تحقیق کی سنگ لاخ وادیوں میں قدم رکھنے سے آج ہر شخص گھبراتا ہے، اور سب پر ہلکے پھلکے کام کر کے اخبارات کی سرخیوں میں آکر سستی شہرت حاصل کرنے کا جنون چھایا ہوا ہے آج نئی نسل کے سامنے ڈاکٹر حمید اللہ جیسی شخصیت، کے حالات زندگی، افکار و خیالات اور تحقیقی کارناموں کو لانا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ چنانچہ اسی احساس کو سامنے رکھ کر یہ مختصر سی کتاب ترتیب دی گئی ہے کہ ان کے سوانح سے نوجوانوں کے تحقیقی حوصلوں کو مہمیز ملے گی داعیانہ جذبہ کی آبیاری ہوگی اور مقصد سے عشق اور اس کے حصول کے لئے پگھلنے، تڑپنے، آرام و راحت کو خیرباد کہنے کی لذت سے وہ آشنا ہوسکیں گے اور ان رہروان علم میں شامل ہو سکیں گے جن کا شوق علم اور جستجوئے تحقیق مردہ قوموں کی رگوں میں زندگی کا خون دوڑا دیتی ہے اور اس کے فسردہ اور ٹھٹھرے ہوئے جوارح میں نشاط پیدا کرتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب اس عہد کے رجل عظیم، محقق کبیر اور بلا مبالغہ عظیم ترین عالم تھے، ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ان کے شایان شان

بلند پایہ علمی وتحقیقی اور مبسوط کتاب لکھی جاتی۔ لیکن ایک تو یہ کہ اس کے لئے لمبی فرصت، انہماک اور یک سوئی کی ضرورت ہے جو حاصل نہیں دوسرے یہ کہ کسی مبسوط کتاب کی اشاعت کے لئے جتنے مصارف چاہئیں وہ بھی عنقا ہیں۔ لہذا مناسب یہ معلوم ہوا کہ جلد سے جلد جو بھی مواد میسر آئے ایک عجالہ کی صورت میں اسی کو ترتیب دے دیا جائے۔ تاہم اس بات کی کوشش ضرور کی گئی ہے کہ جو بھی مواد لیا جائے وہ معیاری ہو۔ ندرت وجدت رکھتا ہو اور قاری کے سامنے ڈاکٹر صاحبؒ کی شخصیت کے مختلف گوشے اجاگر کرتا ہو۔ چنانچہ اس کتابچہ میں مشاہیر اہل علم کی نگارشات ہیں۔ ان کی نوعیت علمی وتحقیقی نہیں بلکہ تاثراتی وانطباعی ہے۔ یہ تحریریں بیشتر برجستہ اور فوری طور پر لکھی گئی ہیں۔ ان میں تحقیق وتدقیق اور حوالوں کے انبار تو نہیں لیکن ایک بڑی شخصیت کی سیرت کے تمام دل آویز نقوش بلیغ اور مؤثر اسلوب میں ہمارے سامنے آجاتے ہیں۔ ان مقالوں میں عجلت اور برجستگی کے باعث بعض غلطیاں رہ گئی تھیں مرتب نے ان کو صحیح کیا ہے، اور تقریباً ہر تحریر میں خفیف سا تغیر بھی کیا ہے۔ بعض جگہوں پر مرتب نے ضروری نوٹ لگانے بھی مناسب سمجھے۔ یہ خوش آیند ہے کہ کراچی یونیورسٹی میں شعبہ اسلامی تاریخ میں ڈاکٹر صاحب کی ''حیات اور کارناموں'' پر ایک تحقیقی مقالہ لکھا جارہا ہے، اسی طرح ادارہ تحقیقات اسلامی بین الاقوامی یونیورسٹی اسلام آباد کا بلند پایہ علمی ترجمان فکر ونظر بھی جلد ہی ان کے اوپر ایک خصوصی اشاعت کا اہتمام کررہا ہے۔

عزیزم عبدالرحمٰن ازہری منیجر فاؤنڈیشن نے اپنے اہتمام میں اس کتاب کو شائع کرایا۔ یہ فاؤنڈیشن کی چوتھی پیش کش ہے۔ ہم قارئین سے مادی ومعنوی ہر طرح کے تعاون کے خواستگار ہیں۔ ان کے قیمتی مشوروں اور کتاب کے سلسلہ میں ان کی رایوں کا استقبال کیا جائے گا۔ اس حقیر کاوش کو والد ماجد حضرت مولانا شبیر احمد ازہر میرٹھی کی طرف معنون کرتا ہوں، جو خود بھی اپنے علمی شغف وتحقیقی انہماک میں ڈاکٹر حمید اللہ کے مثیل ہیں کہ انہیں کے فیضان اور تربیت سے میں اس خدمت کے لائق ہوا۔

مجددعلوم سیرت ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ (آف پیرس)

غطریف شہباز ندوی

امت مسلمہ کی ایک خصوصیت یہ ہے اس میں احیاء واصلاح اور اجتہاد وتجدید کی ایک مسلسل روایت پائی جاتی ہے۔بعض روایات میں آیا ہے کہ ان اللہ یبعث لھذہ الامة علی راس کل قرن من یجدد لھا دینھا (۱) اور ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ لاتزال طائفة من امتی ظاھرین علی الحق یقاتلون (۲)۔مجدد کب ہوگا، کون ہوگا اس سلسلہ میں بڑے اختلافات ہیں لیکن صحیح ترین قول یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کی روایات کی مراد زمانہ کی تحدید نہیں بلکہ یہ ہے کہ جب بھی ضرورت پڑے گی اللہ تعالی کی مشیت ایسے رجال کار اور مرد میدان اٹھادے گی جو مختلف زمانوں اور حالات میں اپنے اپنے انداز میں تجدید واصلاح کا فریضہ انجام دیں گے۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر سو سال میں ایک ہی شخص مجدد ہو، بیک وقت کئی بھی ہو سکتے ہیں اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ان کا میدان کار بھی ایک ہو، کار تجدید الگ الگ میدانوں میں انجام دیا جاسکتا ہے۔ کوئی جہاد اور دعوت وعزیمت کے سلسلہ کا مرد میداں ہوگا، کوئی علوم وفنون کی دنیا میں اصلاح وکارہائے نمایاں انجام دے گا، کوئی مسند ارشاد وترشید پر متمکن ہوسکتا ہے کوئی نئے حالات کے مطابق کتاب وسنت کی روشنی میں نئے مسائل کے تعلق سے اجتہادی کام کرے گا اور اس کا کام تجدید واحیاء میں شمار ہوگا۔ غرض یہ ہے کہ مختلف حالات وظروف اور زمانہ کے مقتضیات ومطالبات کے لحاظ سے دعوت وتبلیغ اور اصلاح واجتہاد وغیرہ ہر میدان اصلاح وتجدید کا میدان بن سکتا ہے۔

چنانچہ تاریخ میں ہم دیکھتے ہیں کہ خلافت راشدہ کے بعد جب بھی اصلاح وتجدید کی کوششیں ہوئی ہیں تو الگ الگ رنگ وآہنگ میں، الگ الگ اسلوب وانداز میں ائمہ و

فقہاء، محدثین کبار، علما و مصلحین، داعی و مجتہدین اور مجاہدین نے اصلاح وتجدید کی روایت میں اپنا اپنا حصہ ادا کیا اور سب امت مسلمہ کا مشترکہ سرمایہ بن گئے۔ چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ملوکیت میں اصلاح کی کوشش کی اور اسے پھر خلافت کے راستہ پر لگانے کی سعی کی۔ ائمہ اربعہؒ نے پیش آمدہ مسائل کے سلسلے میں امت کی رہنمائی فرمائی بخاریؒ و مسلمؒ وغیرہم محدثین نے سنت کو محفوظ و مدون کیا۔ جب فلسفہ وتعقل کا حملہ ہوا تو غزالیؒ نے اٹھ کر روکا، جب تقلید جامد، غلط روایات اور نئی نئی بدعات سے دین کی صورت مسخ ہونے لگی تو ابن تیمیہؒ اٹھے۔ جامد طبقوں نے اندھی تقلید کا راستہ اپنایا، مختلف فرقے پیدا ہو گئے اور نئے نئے فتنے سر اٹھانے لگے تو ابن حزمؒ نے پھر سے اجتہاد کی دعوت دی، عسکری و دفاعی محاذ پر دیکھیں تو اعداء اسلام کی چیرہ دستیاں روکنے کے لئے محمد بن قاسمؒ، موسی بن نصیر، طارق بن زیاد سے لے کر سلطان صلاح الدین ایوبیؒ تک مختلف مجاہدین نے اپنے گرم گرم خون سے شجر اسلام کی آبیاری کی اور اسلامی ریاست کو غیروں کی دست برد سے بچائے رکھا۔ فکری و علمی طور پر میں مسلمان زوال پذیر ہونے لگے تو ابن خلدون اور احمد بن عبدالرحیم ولی اللہ الدہلویؒ جیسی شخصیات کا ظہور ہوا۔ مجددؒ الف ثانی نے اکبری الحاد میں اصلاح کا فرض انجام دیا۔ لہذا ان سب لوگوں کے کاموں کو بلا مبالغہ تجدید و اصلاح کے زمرہ میں رکھا جائے گا۔

اصلاح وتجدید کی یہ روایت بلا انقطاع ہر زمانہ میں جاری رہی۔ یقیناً ایسے رجال عظیم اور مردان کار کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے اور ان میں بھی ایسی قد آور شخصیات جن کے اثرات آج تک محسوس کئے جاتے ہیں اور زمانہ ان سے فیض یاب ہو رہا ہے کم ہی ہوئی ہیں۔ بیسویں صدی میں امت مسلمہ پر عمومی زوال وادبار طاری رہا ہے اور یہ زوال اب بھی جاری ہے تاہم یہ صدی بھی تجدید و اصلاح کی روایت سے معمور رہی ہے۔ اس صدی میں بھی دنیائے اسلام میں مختلف ایسی شخصیات اٹھی ہیں جن کے اثرات ہمہ گیر ہیں۔ ان مردان کار کی ایک لمبی فہرست ہے۔ اس میں جہاں جمال الدین افغانی، محمد عبدہ، رشید رضا، اقبال، حسن البنا، سید قطب، مولانا مودودی، ابوالحسن علی ندوی کے نام ملتے ہیں۔ وہیں اسلامی علوم وفنون، تفقہ و اجتہاد، تحقیق و ریسرچ کے میدان میں شبلی و فراہی، برہان احمد

فاروقی، فواد سیزگین، ناصر الدین البانی، شبیر احمد ازہر میرٹھی وغیرہم اور ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے نام بھی آسمان علم پر جگمگ کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

یہاں آخر الذکر شخصیت یعنی ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم ومغفور کا ہی مختصر سا تذکرہ مقصود ہے کہ یہ ایسے ولی اللہ صفت عالم اور محقق کا تذکرہ ہے جن کے نام سے عطر کی پھوار پھوٹتی ہے جن کے ذکر سے ایمان تازہ ہوتا ہے کہ ان کا ذکر تعال نومن ساعة (آؤ ان کے ذکر سے ایمان تازہ کرلیں) کا مصداق ہے۔ ان کے بارے میں جتنی گفتگو کی جائے تشنہ لگتی ہے۔ اور شاعر کا یہ شعر زبان پر آجاتا ہے۔

أعد ذكر نعمان لنا إن ذكره

هو المسک ما کررته یتضوع

(نعمان کا تذکرہ دہراتے رہو وہ تو مشک ہے جتنا دہراؤ گے مہک پھیلے گی۔)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ حیدرآباد دکن میں ۱۹ فروری ۱۹۰۸ء کو پیدا ہوئے۔ وہیں مدرسہ نظامیہ اور جامعہ عثمانیہ میں ان کی تعلیم وتربیت بھی ہوئی۔ اس وقت ہندوستان آزاد نہ ہوا تھا۔ دکن میں سلطنت آصفیہ قائم تھی۔ ڈاکٹر صاحب اسی سلطنت کی جانب سے نمائندگی کے لئے فرانس گئے تھے۔ ان کے لوٹنے سے قبل ہی سقوط حیدرآباد کا سانحہ پیش گیا۔ ڈاکٹر صاحب آصفیہ کے پاسپورٹ پر سفر نہیں سکتے تھے، اس لئے انہوں نے فرانس میں سیاسی پناہ لے لی۔ پیرس میں قیام کیا اور تحقیق وتصنیف ودعوت تبلیغ کے کاموں میں ہمہ تن مشغول ہو گئے۔ اور اس وقت تک لکھنے پڑھنے اور تحقیق وریسرچ کا کام کیا جب تک ان کے قوی نے ساتھ دیا۔ جب سن شریف ۹۰ سے زیادہ ہوگیا اور مختلف بیماریوں نے گھیر لیا تو امریکہ میں اپنے اعزہ کے ہاں منتقل ہو گئے اور وہیں ۱۷ دسمبر ۲۰۰۲ء کی صبح کو خالق حقیقی سے جا ملے۔

دنیا کے بڑے انسانوں کی زندگیوں اور ان کے کارناموں کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مفکر ہوں یا محقق، داعی ہوں یا مصلح ان کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک وہ جو معاشرہ کی سطح پر ہی سوچتے ہیں۔ اس کی زبان بولتے اور اسی کی رائج اصطلاحات استعمال کرتے ہیں۔ وہ دین کی سماج روپی تعبیر اختیار کر کے ہی اصلاح کا کام کرتے ہیں۔

دوسرے وہ ہوتے ہیں جو بظاہر انہیں الفاظ واصطلاحات کا سہارا لیتے ہیں رائج تعبیرات ہی بولتے ہیں لیکن ان کی نظر دقیق، آفاق فکر وسیع اور دینی بصیرت اتنی بلند ہوتی ہے جو انہیں معاشرہ کی عام سطح سے بالکل اوپر اٹھا دیتی ہے۔ان دونوں زمروں کا مقصد ایک ہی ہوتا ہے لیکن دونوں کے طریقہ کار میں بھی فرق ہوتا ہے دونوں کی مشکلات بھی الگ ہوتی ہیں دونوں کی جدوجہد کا حاصل بھی مختلف ہوتا ہے۔اول الذکر آسانی سے کام کرتے ہیں، ان کو معاشرہ جلد ہی قبول بھی کر لیتا ہے، اور ان کی زیادہ مزاحمت بھی نہیں ہوتی۔ جبکہ دوسری قسم کے لوگوں کو اکثر شدید قسم کے حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ پہلی قسم کے لوگ پیوند کاری کر کے کام چلا لیتے ہیں جبکہ دوسری قسم کے لوگ پیوند کاری نہیں کرتے، وہ حقیقی معنی میں اجتہاد کرتے ہیں، تجدید کا کام انجام دیتے ہیں۔ نتائج کے لحاظ سے اول الذکر فوری اثر ڈالتے اور شارپ ٹریٹمنٹ کی کوشش کرتے ہیں جبکہ مؤخر الذکر لمبا راستہ اختیار کرتے ہیں کہ ان کے ہاں کوئی ہنگامی راستہ اور شارٹ کٹ نہیں ہوتا۔ان کی نظر ظاہری اور سطحی تبدیلیوں پر نہیں رکتی بلکہ وہ معاشرہ کی زیادہ گہری اور حساس نبضوں کو چھیڑتے ہیں اور اس کی دکھتی رگوں پر انگلیاں رکھتے ہیں وہ براہ راست قرآن وسنت کو ہی اپنا ماخذ بناتے ہیں۔ دین کے اصل مصادر ومراجع ہی ان کا معیار ہوتے ہیں۔ بعد کے لوگوں کے اجتہادات وتشریحات ان کے لئے قید نہیں بنتیں۔ ایسے لوگ ظاہر ہے کہ ہر زمانہ میں کم ہوتے ہیں چنانچہ پوری تاریخ اسلام میں ایک قلیل جماعت ہی ایسے لوگوں کی ہوئی ہے سو راقم حروف کے خیال میں بیسویں صدی کے دوسرے مصلحین ومجددین میں ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کا شمار بھی کیا جانا چاہئے بلکہ اپنی بعض خصوصیات وامتیازات کے باعث اس صدی کی تمام شخصیات میں وہ زیادہ قدآور اور زیادہ بڑے نظر آتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے ایک لمبی عمر پائی اور ایک ایک لمحہ کو نہایت قیمتی جانا، اسے دین کی دعوت، قرآن وسنت کے سلسلہ میں مطالعہ وتحقیق اور اہم اسلامی موضوعات پر بیش قیمت تالیفات کی تخلیق میں لگایا۔ انہوں نے کئی زبانیں سیکھیں۔ جرمن، فرنچ، آسٹریائی، انگریزی، سنسکرت وغیرہ۔ اردو فارسی عربی تو گھر کی میراث تھیں۔ ان زبانوں میں عبور

حاصل کیا۔ اور فنائیت فی العلم کا حال یہ تھا کہ ضعیف العمری میں تھائی زبان سیکھی فرنچ جو یوروپ کی، انگریزی کے بعد سب سے اہم اور فارسی کی طرح میٹھی زبان سمجھی جاتی ہے اس میں کئی کتابیں لکھیں، قرآن کریم کا فرنچ میں ترجمہ کیا۔ ان زبانوں میں اسلام کے تعارف پر بنیادی کام کیا اور متعدد اہم پیپر بھی لکھے جو مختلف یونیورسٹیوں اور عالمی کانفرنسوں میں پڑھے گئے۔ انہوں نے کئی جگہوں پر متعدد لیکچرز بھی دئے۔ جن میں سب سے زیادہ اہم وہ لیکچرز ہیں جو پاکستان کی اسلامی یونیورسٹی آف بہاولپور کی دعوت پر اردو میں دئے تھے۔ اور ان کا مجموعہ خطبات بہاولپور کے نام سے چھپ چکا ہے۔ انگریزی میں بھی انہوں نے متعدد کتابیں اور مقالے لکھے انہیں حدیث اور سیرت کی تحقیق سے گویا عشق تھا۔ چنانچہ اس میدان میں ان گوشوں کا رخ کیا جو ابھی تک اچھوتے تھے۔ سیرت ابن اسحاق کو کھوج نکالا پھر اسے تحشیہ و تحقیق کے ساتھ شائع کیا۔ حدیث نبوی کے اولین مجموعوں میں سے صحیفہ ہمام بن منبہ دریافت کیا اور اسے تحقیق و تخریج کے ساتھ شائع کیا نبیؐ کے سیاسی خطوط و معاہدے وغیرہ دستاویزوں کی تلاش کی ان کی دستاویزات و مکتوبات شریفہ کو الموا ثیق النبویۃ کے نام سے ایڈٹ کر کے شائع کیا۔ ان کاموں میں سے ہر ہر کام اپنی جگہ ایسا کارنامہ ہے جو بڑی بڑی تحقیقی اکیڈمیوں اور ریسرچ اسکالروں کے کرنے کا ہے۔ لیکن انہیں تنہا ایک فرد فرید نے انجام دیا۔ اسی طرح میثاق مدینہ کی تشریح و توضیح کی، اسلام کے بین الاقوامی قوانین کی تشریح کی۔ عہد نبوی کے میدانہائے جنگ کا مطالعہ پیش کیا۔ ان میں سے ہر ایک کام انہیں بیسویں صدی کا رجل عظیم قرار دینے کے لئے کافی ہے۔ اور اسی لئے راقم احقر ڈاکٹر صاحبؒ موصوف کو بیسویں صدی میں مجدد علوم سیرت قرار دیتا ہے۔ اور یہ محض مبالغہ نہیں بلکہ جو بھی واقعی سنجیدگی کے ساتھ علوم سیرت و مغازی سے متعلق ان کی تحقیقات اور علمی جد و جہد کا بنظر غائر مطالعہ کرے گا وہ اسی نتیجہ پر پہنچے گا کہ اس میدان میں ڈاکٹر حمید اللہ کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ اور یہ کام وہی شخص انجام دے سکتا ہے جسے ذات نبوی سے عشق ہو اور جو سرتاپا محنت و مشقت جد و جہد، صبر اور مصابرت اور تحقیق کا مرد میداں ہو۔

اس لحاظ سے ڈاکٹر صاحب نہ صرف پورے عالم اسلام کی متاع تھے بلکہ وہ روشنی

کا وہ مینار تھے جو موجودہ اور آئندہ نسلوں کے لئے علم وتحقیق کے نشانات راہ روشن کرتے ہیں۔ اوران کے انوار و برکات سے کتنے اور چراغ جل رہے ہیں اور آئندہ جلیں گے۔ وہ ہر لحاظ سے نمونہء سلف تھے کہ ان کی ذات اور کاموں سے اسلام کے ان روشن ادوار کی یاد تازہ ہوتی تھی جب غزالی ورازی، البیرونی، ابن خلدون، ابن رشد اور ابن حزم وابن تیمیہ جیسے عباقرۂ علم وفکر عالم اسلام کو اپنے اپنے زمانوں میں اپنے علم سے منور کررہے تھے اور امت مسلمہ علوم وفنون کے میدان میں پوری دنیا کی امامت کررہی تھی۔

ڈاکٹر حمید اللہ کو راقم نے جس بنیاد پر مجدد کہا ہے اس کا تھوڑا پس منظر بھی قارئین کے سامنے رہے تو بات زیادہ واضح ہو جائے گی۔ اور وہ پس منظر یہ ہے کہ عہد حاضر میں ہر چیز کی تحقیق کا مرکز مغرب بن گیا ہے حتی کہ علوم اسلامیہ پر ریسرچ وتحقیق کی مرجعیت بھی مشرق سے مغرب کو منتقل ہوگئی ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ سولہویں صدی سے لے کر تا حال مغرب نے علوم اسلامیہ پر زبردست محنت کی ہے۔ اس نے استشراق (مشرقیات اور اسلامی علوم کا مطالعہ) کو رواج دیا۔ ۱۹ویں صدی کے نصف اول میں عالم اسلام کو سیاسی غلام بنا کر جبروتشدد کے ذریعہ اس کی ذہنی وفکری قوتوں کو منجمد کردیا۔ دنیائے اسلام پر گزشتہ کئی صدیوں سے ایک عمومی علمی، تحقیقی اور عقلی وفکری زوال طاری تھا، مغربی یلغار نے اسے اور نیم جاں کردیا۔ اس کی تحقیقات، اس کے فنون اور اس کی صنعتوں کو ٹھپ کردیا۔ اس کے مالی اور علمی اثاثے ضبط کرکے اپنے ہاں منتقل کرلئے اور اس کے بعد تفسیر وحدیث، سیرت و تاریخ، ادب و بلاغت اور فقہ وفلسفہ وغیرہ اسلامی علوم اور ان کی مختلف شاخوں میں سے کوئی چیز ایسی نہیں چھوڑی جس کا حرف حرف پڑھ کر مستشرقین نے اس پر تحقیق نہ کی ہو۔ انہوں نے عربی واسلامی علوم کے پرانے مخطوطوں کو ایڈٹ کیا۔ ان کے تشریحی انڈیکس تیار کئے۔ مختلف عالمی زبانوں میں ان کے ترجمے کئے، حواشی لکھے، ڈکشنریاں اور معاجم تیار کئے۔ دقیق مباحث کی تسہیل کی اور اس سارے کام میں بہیترے مستشرقین نے اپنے مزعومات بھی خوب خوب نمک مرچ لگا کر داخل کردئے۔ اپنی انہیں کاوشوں کی بنیاد پر انہیں ان علوم پر مہارت اور استناد Authenticity حاصل ہوگیا۔ اب علوم اسلامیہ انہیں کی عینک سے

پڑھے جانے اور انہیں نئی نظروں سے دیکھنے جانے لگے۔ جو درجہ جامعہ ازہر، زیتونہ، نظامیہ بغداد کو کبھی حاصل تھا وہ اب آکسفورڈ، ہارورڈ، کیمبرج، سوربون، مانچسٹر، جارج ٹاؤن وغیرہ کو حاصل ہوگیا۔ انہیں مستشرقین کی تشریحات رائج ہوگئیں۔ اور خود مسلم دنیا کی جامعات اور یونیورسٹیوں میں بھی وہی مرجع قرار پائے کہ ان کے اسلامک اسٹڈیز وغیرہ کے شعبوں کے بیشتر صدور اور اساتذہ مستشرقین کے فیض یافتہ گان تھے اور مرعوبیت کے مارے بزبان حال کہتے تھے کہ ہر چہ استاذ ازل گفت می گویم۔

مستشرقین اور ان کے مشرقی شاگردوں نے خدا، رسول اور مذاہب ہر ایک کے سلسلہ میں غلط فہمیاں اور تحریفات عام کر دیں۔ مثلاً وحی کو ایک بیماری (صرع) قرار دیا، قرآن پاک کو رسول اکرم کی تصنیف باور کرایا، اسلامی اخلاقیات کو یہودی اور نصرانی تعلیمات سے ماخوذ بتایا، اور اسلامی فقہ وقانون کو رومن لا سے اخذ کردہ کہا۔ ہمارا المیہ یہ رہا کہ اس پوری مدت میں علمی تحقیق سے ہم مغرب اور مغربی علماء کا مقابلہ نہ کر سکے۔ جس طرح مغرب میں استشراق کی نشوونما ہوئی اس کے مقابلہ میں ہمارے ہاں استغراب (مغربی علوم وفنون کا مطالعہ) پر کوئی توجہ نہیں دی جا سکی۔ جس کے ذریعہ مسلمان مغرب کو پڑھتے، اس کی فکری اساسیات کا پتہ لگاتے، اس کے علمی سرمایہ کا تنقیدی جائزہ لے سکتے۔ اور دفاع سے اقدام کی پوزیشن میں آجاتے۔ جس طرح ماضی میں ابن حزم البیرونی، ابن خلدون، اشعری، غزالی اور ابن تیمیہ نے معاندین کا مقابلہ انہیں کے ہتھیاروں سے لیس ہو کر کیا تھا، وہ تجربہ دہرایا نہیں جا سکا۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اسی خلا کو پر کیا ہے۔ مغرب کی زبانیں سیکھیں اور مغرب کے ثقافات وکلچر کا مطالعہ کیا۔ اور اسلامی علوم سے متعلق مستشرقین کی پھیلائی ہوئی لن ترانیوں کا جواب دیا۔ موجودہ وقت میں اس سلسلہ میں وہ اکیلے نظر آتے ہیں۔ اور ان کی وفات سے ایک عظیم خلا امت کے اندر پیدا ہوا ہے۔ خدا کرے کہ ڈاکٹر صاحب کے تلامذہ اور فیض یافتگان اس جگہ کو پر کر سکیں۔

ڈاکٹر صاحب کی عمر عزیز کا بڑا حصہ مغرب میں گزرا۔ انہوں نے مغربی علوم کا مطالعہ گہرائی کے ساتھ کیا کیونکہ کئی زبانوں پر مہارت اور کئی علوم میں تبحر کی وجہ سے وہ نہ

صرف مستشرقین کی ٹکر کے تھے بلکہ اپنی محنت اور وسعت مطالعہ میں ان پر بھی فائق تھے۔ چنانچہ ان کی کتابوں کا تحقیقی پایہ بہت بلند ہے۔ اور واقعہ تو یہ ہے کہ مشرق اور بطور خاص عالم اسلام مغربی علماء کے مقابلہ میں چند ہی لوگوں کو پیش کرسکتا ہے جن میں ڈاکٹر صاحب کو سرخیل کا رتبہ حاصل تھا۔

ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کسی حلقہ ارادت سے وابستہ سکہ بند صوفی نہ تھے لیکن راقم کو ان کے جو احوال معلوم ہوئے (جو بہت کم ہیں) ان کو سامنے رکھ کر بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ ذات نبوی سے عشق، تقوی و پرہیزگاری، انابت اور جوع الی اللہ کی جو کیفیت ان کو حاصل تھی وہ موجودہ دور کے مروجہ حلقہائے طریقت و مشیخت کے لوگوں کو شاید ہی نصیب ہوتی ہو۔ سلوک و طریقت 'ہو ہو' کرنے، الا اللہ کی بے روح ضربیں لگانے، بزرگوں کے عرس منانے و چلہ کشی کرنے کا نام نہیں، نہ وہ کسی روایتی جامد طریقہ سے عبارت ہے۔ وہ تو دراصل عرفان ذات، جذب و شوق اور جذبات محبت کی ترجمانی ہے۔ جذبہ شکر اور والہانہ عقیدت سے اس کا جوہر تیار ہوتا ہے اور اس محبت کے بغیر ایمان بھی معتبر نہیں۔ محبت کا اعلی درجہ وہ ہے جو بندہ کو اپنے خالق و مالک اور پالنہار سے ہوتی ہو، اسی کو سلوک و طریقت کی زبان میں عشق حقیقی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ عشق حقیقی کا لازمی نتیجہ ہے کہ خدا اور رسول کی غیر مشروط اطاعت کی جائے، خلق خدا سے محبت ہو، اور رسول سے صرف زبانی محبت کا اظہار کافی نہیں بلکہ ان کا اتباع بھی لازمی اور ضروری ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی زندگی کا ایک بہت ہی ابھرا ہوا پہلو ان کی خدمت خلق، تواضع و انکساری و حرارت قلبی تھی۔ لوگوں سے ہمدردی و غم گساری جیسی بلند صفات ان کا مایہ خمیر تھیں۔ احترام آدمیت، مروت اور غیرت و خودداری ان کی زندگی کا روشن عنوان تھا۔ انھوں نے پوری زندگی مہاجرت تفرد اور تجرد میں گزار دی۔ اگر وہ چاہتے تو ان کی اعلی درجہ کی تصنیفات و تحقیقات کی رائلٹی سے ہی انہیں اربوں کی دولت حاصل ہو جاتی لیکن وہ مال کی محبت، بخل، تنگ دلی اور کسی منصب کی خواہش جیسی آفات قلبی سے محفوظ رہے۔ کسی شخص کے ظاہری حالات اور کاموں کو دیکھ کر اگر اس کے باطن کے بارے میں رائے قائم کرنا درست ہو تو بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ حب مال، حب جاہ اور تنگ

دلی سے ان کے قلب کو صاف کر دیا گیا تھا اور وہ ان شاءاللہ و من یوق شح نفسہ فاولئک ھم المفلحون (تغابن۔١٦) (جو لوگ نفس کی تنگی سے بچادئے گئے وہی کامیاب ہیں) کے خاص مصداقوں میں سے ہوں گے جن لوگوں نے ان کو دیکھا، ان سے فیض اٹھایا اور ان سے باتیں کیں، ان کو سنا ان کا کہنا ہے کہ ان کے چہرہ سے پاکیزگی جھلکتی اور پیشانی سے نور کی بارش ہوتی تھی۔ ان کے ساتھ باتیں کر کے طبیعت خوش ہوجاتی، ان کے ساتھ بیٹھ کر خدا یاد آتا اور ان کی صحبت سے نفس کا تزکیہ ہوتا تھا، راقم کا دل کہتا ہے کہ وہ اس زمانہ کے اولیاء اللہ میں سے تھے اور ان لوگوں میں سے تھے جن کے بارے میں کہا جاتا ہے اولئک قوم لایشقی بھم جلیسھم (یہ ایسے لوگ ہیں جن کا ہم نشین محروم نہیں ہوتا)

ڈاکٹر حمید اللہ ١٩/٢/١٩٠٨ء میں پیدا ہوئے تھے اور ١٧/١٢/٢٠٠٢ء میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اس طرح ان کی عمر ٩٤ سال کی ہوئی۔ انہوں نے آدھی صدی پیرس میں گزاری۔ پہلے یہاں وہ تعلیم کے لئے آئے تھے اور سوربون یونیورسٹی سے انہوں نے عہد نبوی اور عہد خلفاء راشدین میں سیاسی سفارت کاری پر مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی تھی۔ پھر حیدرآباد آکر عثمانیہ میں پروفیسر ہو گئے۔ پھر ١٩٤٨ء (١٣٦١ھ) میں وہ دوبارہ دولت آصفیہ کی جانب سے سفارت پر اقوام متحدہ بھیجے گئے ان کی واپسی سے پہلے ہی ہندستان نے پولیس ایکشن کے ذریعہ دولت آصفیہ کا خاتمہ کر دیا تھا وہ واپس ہندوستان واپس آنے کی بجائے پیرس گئے اور وہاں سیاسی پناہ حاصل کی اور یہیں رہ پڑے۔ قومی ادارہ برائے تحقیقات اور دی فرانس کالج میں انہوں نے تدریس، تحقیق اور محاضرات کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ہر سال تین ماہ وہ ترکی بھی جاتے جہاں کی یونیورسٹیوں اور کالجوں میں ان کے لیکچرز ہوتے۔ علاوہ ازیں فرانس اور دوسرے ملکوں میں ہفتہ وار، ماہانہ اور سہ ماہی وزٹ لیکچرز اور خطبے دیتے۔ اس طرح تقریباً ٦٠ سال یوروپ کی سرزمین پر یہ مرد درویش مدح و ستائش سے بے نیاز کبھی جامعات میں پڑھاتا، کبھی مسجدوں میں درس دیتا کبھی علمی و فکری اور تحقیقی سمیناروں اور کانفرنسوں میں مختلف موضوعات پر اسلام کا موقف پیش کرتا۔ معاندین سے بحث و مناقشہ کرتا اور اسلام کے خلاف پروپیگنڈوں کا مقابلہ کرتا۔ عالمی

رسائل و جرائد میں لکھ کر علم و تحقیق کی دنیا میں اپنی ذہانت، وسعت علمی اور کثرت مطالعہ کا ثبوت پیش کرتا۔ مشرق کے اس فرزند کی مغرب نے قدر کی اور انہیں عالمی پیمانے پر ایک عظیم اسلامی اسکالر کی حیثیت حاصل ہوگئی۔ مختلف زبانوں میں ان کے تحریر کردہ مقالات زائد از ۹۳۷ ہیں اور مستقل تصنیفات، بشمول ان قدیم علمی کتابوں کے جن کی انہوں نے تحقیق و تخریج کی ہے، کی تعداد ۱۶۵ تک پہنچتی ہے۔ اس طرح وہ ان مقتدمین علماء اسلام کے ہم پلہ ہو جاتے ہیں جو کثرت تالیف و تصنیف میں شہرہ رکھتے ہیں۔ انہوں نے کبار مستشرقین اور مغربی علماء کا زمانہ پایا، ان سے گفتگوئیں کیں مباحثے کئے اور افادہ و استفادہ کیا۔ ڈاکٹر حمید اللہ مسلک کے لحاظ سے شافعی تھے۔ لیکن تقلید جامد کے وہ کبھی قائل نہ رہے، اور انھوں نے قرآن و سنت کو اصل بنیاد بنایا اور ان کی روشنی جدید تقاضوں کو سامنے رکھ کر اجتھاد بھی کیا، شافعی ہونے کے باوجود فقہ اور اصول فقہ اور اسلامی قانون کی تدوین سے متعلق حنفی مکتبۂ فکر خصوصاً امام ابوحنیفہؒ کو انھوں نے زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے اور فقہ کے رائج تمام اسکولوں پر ان کے گہرے اثرات کا ذکر کیا ہے۔ (۳)

ڈاکٹر صاحب کی امتیازی خصوصیت اور کرامت یہ بھی ہے کہ ان کے ہاتھ پر ہزاروں بندگان خدا نے اسلام قبول کیا۔ یہ مشرف بہ اسلام ہونے والے ہی ان کے معنوی فرزند تھے۔ اور فرانس نیز یوروپ کی مسلم کمیونٹی اپنے معاملات، مشکلات و مسائل کے سلسلہ میں ان ہی کی طرف رجوع کرتی تھی اور اسلامی موضوعات پر جامعات، علمی حلقے، ثقافتی ادارے انہیں کی طرف دیکھتے تھے۔ لیکن اتنی عظمت اور جلالت علمی کے باوجود ان کی شخصیت میں اتنی عاجزی تواضع اور انکساری تھی کہ شہرت پسندی جاہ طلبی اور تفاخر سے ہمیشہ دور رہے۔ حتی کہ ۱۹۹۴ء (۱۴۱۴ھ) کو انہیں عالمی فیصل ایوارڈ کے لئے چنا گیا تو انہوں نے اخلاص کے تقاضے کے تحت یہ کہہ کر میں دنیا کے اجر کا طالب نہیں آخرت کا طالب ہوں ایوارڈ لینے سے انکار کر دیا۔ ۱۹۹۶ء میں بھی وہ شدید علیل ہوئے تھے اور ان کی وفات کی خبر بھی اڑ گئی تھی، علالت ضعیفی کے سبب ان کی پوتی یا بھتیجی (بھائی کی پوتی) سعدیہ (یا سدیدۃ) عطاء اللہ انہیں اپنے ساتھ (فلوریڈا) امریکہ لے گئیں ان کے ہاں وہ آخری وقت تک مقیم

رہے، ان کے خاندانی ذرائع کے مطابق ایک صبح وہ ناشتہ کے بعد سوئے اور خاموشی سے دنیا کو خیر باد کہنے کی اپنی خواہش کے مطابق اس نیند میں ہی وہ جنت کے مکین بن گئے۔(۴) انا للہ وانا الیہ راجعون، نماز جنازہ شمالی ٹیکساس کی اسلامی انجمن کے ترک نژاد امریکی محقق اور امام ڈاکٹر یوضیا کونے پڑھائی۔ پانچ بھائیوں اور تین بہنوں میں وہ سب سے چھوٹے تھے، انھوں نے شادی نہیں کی اور پوری زندگی علم اور دعوت میں لگادی۔

ان کے مشہور و معروف علمی کارنامے یہ ہیں۔

۱۔ فرنچ میں قرآن مجید کا ترجمہ: پہلی بار پیرس سے ۱۹۵۹ء میں طبع ہوا۔ اس کے بعد سے اب تک اس کے ۲۰ سے زیادہ ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ ان کا یہ ترجمہ معیاری اور مستند ہے۔ چنانچہ ملک فہد اکیڈمی برائے اشاعت قرآن مدینہ منورہ نے اپنے فرانسیسی ترجمہ میں اسی پر انحصار کیا ہے۔

۲۔ سیرت رسول اکرمؐ فرنچ میں (دو جلد) اس کے کئی ایڈیشن نکلے تازہ ترین ۱۹۸۹ء میں چھپا تھا۔

۳۔ نبی اکرمؐ کے چھ سیاسی مکتوبات (فرنچ میں) ۱۹۸۶ء میں پیرس سے طبع ہوا۔

۴۔ اسلام کا تعارف (فرنچ میں) اس کے کئی ایڈیشن نکل چکے ہیں اور اس کا ۲۳ زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

۵۔ ہم روزہ کیوں رکھتے ہیں۔ (فرنچ میں) ۱۹۸۲ء اور ۱۹۸۸ء میں پیرس سے شائع ہوئی۔

۶۔ تراجم قرآن کی فہرست: دنیا کی ۱۲۰ مختلف زبانوں کے ترجموں کا استقصاء کیا گیا ہے، استنبول سے شائع ہوئی۔

۷۔ بوسکائی کے صحیح بخاری کے ترجمہ کی تصحیح (فرنچ میں) ایک جلد میں پیرس سے شائع ہوئی۔

۸۔ عہد نبوی اور خلافت راشدہ کے سیاسی دستاویزات کا مجموعہ (عربی) بیروت سے شائع ہوئی۔

جن کتابوں کی تحقیق وتخریج کی ان میں:

۱۔ کتاب الانواء ابن قتیبہ طبع حیدر آباد ۱۹۵۶ء

۲۔ انساب الاشراف للبلاذری ج۱، طبع مصر ۱۹۵۹ء

۳۔ الذخائر و التحف للقاضی الرشید بن الزبیر طبع، الکویت ۱۹۵۹ء

۴۔ مقدمہ فی علم السیر لابن القیم طبع دمشق ۱۹۶۱ء اس کا دوسرا نام حقوق الدول فی الاسلام فی احکام اھل الذمہ بھی ہے۔

۵۔ کتاب المبتدأ و المبعث و المغازی جو سیرت ابن اسحاق کے نام سے مشہور ہے، طبع الرباط ۱۹۷۶ء

۶۔ صحیفہ ھمام بن منبہ طبع اول بیروت ۱۹۷۹ء

۷۔ کتاب الردۃ و نبذۃ من فتوح العراق، للواقدی، طبع پیرس، بیروت ۱۹۸۹ء

۸۔ کتاب السیر الکبیر امام محمد بن الحسن الشیبانی طبع حیدر آباد ۱۹۸۹ء

ان کے علاوہ کئی اہم تحقیقی وعلمی منصوبوں میں بھی انہوں نے سرگرمی سے حصہ لیا۔ ان میں

۱۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جو پنجاب یونیورسٹی پاکستان سے ۱۹۶۵ء میں شائع ہوا، میں ۲۲ موضوعات پر ان کے تحقیقی مقالے ہیں۔

۲۔ اسی طرح فرنچ میں مذاہب کے اطلسوں کا انسائکلو پیڈیا شائع ہوا تو اس کی تیاری میں بھی شرکت کی اور اسلام کے موضوع پر لکھا۔ ۱۹۸۸ء میں یہ اطلسی انسائیکلوپیڈیا شائع ہوا۔ جب فرنچ میں فرانس کی مذہبی گائڈ بک تیار ہوئی تو اس میں بھی اسی موضوع پر لکھا اور اس کی تیاری میں حصہ لیا۔ یہ گائیڈ بک ہاشیت پیرس میں ۱۹۶۱ء میں شائع ہوئی۔ انھوں نے علامہ اقبال کے خطبات اور بال جبریل کا بھی فرانسیسی میں ترجمہ کر کے شائع کیا تھا جو خود ایک بڑا کارنامہ ہے۔

۳۔ ان کے خطبات بھاولپور عملی دنیا کے لیے ایک نادر تحفہ ہیں ان ۱۲ لیکچروں میں انھوں نے اپنی معلومات کو نہایت شُشتہ اور رواں اسلوب اور دلیل کی قوت کے ساتھ بیان کیا ہے، اپنے تفردات تحقیقات اور اجتھادی آراء کا اظہار بھی دل نشین اور منکسرانہ انداز

میں کیا ہے کہیں پرانی رائے تھوپنے کی کوشش نہیں کی۔ اسلام کے تعلق سے جدید مسائل کوشگفتگی کے ساتھ حل کر دیا ہے، کہیں پر ادعا نہیں، کہیں پر غرورِ علم کا شائبہ نہیں، دوسروں کا احترام پوری طرح ملحوظ رکھا اور دراصل تواضع ان کی بڑائی کی نشانی ہے۔ موضوع سے متعلق سوالات کا جواب خندہ پیشانی سے دیا، اور جس بات کا جواب نہیں دیا وہاں صفائی سے اعتراف کرلیاہیکہ مجھے اس بارے میں علم نہیں، خطبات میں ایسی مثالیں متعدد جگہ ملتی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ خطبات ان کے گہرے تفقہ فی الدین کی روشن دلیل ہیں۔ اور **من یرد اللہ بہ خیرا یفقہ فی الدین**۔ کی تفسیر (۵)

ڈاکٹر صاحب کے ان خطبوں کو اسلامیہ یونیورسٹی بھاولپور نے پندرھویں صدی کے استقبال میں اہتمام سے شائع کیا تھا وہ اس کے ترجمان مجلّہ مفکر کی خصوصی اشاعت کے طور پر منظر عام پر آئے ان خطبات میں انھوں نے یہ نکتہ واضح کیا ہے کہ سابقہ صحف سماویہ میں بعض تو سرے سے موجود نہیں اور جو ہیں ان کی تدوین بار بار کی گم شدگی کے بعد ہوئی اس لیے وہ بعینہ کلام الٰہی نہیں۔ اناجیل اربعہ دراصل حضرت عیسیٰ کی سوانح عمری ہیں جو ان کے مختلف اصحاب نے ترتیب دی ہیں۔ قرآن اور اسی طرح سنت دونوں کی کتابت اور تدوین عہد نبوی اور خلافت راشدہ میں ہوتی رہی تھی۔ تیسرے خطبہ میں انھوں نے فقہ اسلامی کی تاریخ بیان کی ہے اس کے ماخذ و مصادر پر گفتگو کی اور بتایا کہ وہ رومن لا سے ذرا بھی متاثر نہیں ہوئی۔ چوتھا خطبہ اصول فقہ واجتھاد پر ہے جس میں یہ بتایا کہ مسائل کو قرآن وسنت کی روشنی میں کیسے حل کیا جاتا تھا اور عصر حاضر میں کیا طریقہ کار ہو۔ پانچواں خطبہ قانون بین الممالک سے تعلق رکھتا ہے ڈاکٹر صاحب نے اس پر بحث کرتے ہوئے پورے وثوق سے فرمایا کہ انٹرنیشنل لا مسلمانوں کا مرہون منت ہے۔ چھٹا خطبہ عقائد وعبادات کی تشریح پر مشتمل ہے اس میں انھوں نے احسان وتصوف کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ اسلامی تصوف وہ ہے جس کی تفسیر نبی اکرمؐ نے اپنے معجزانہ جملہ أن تعبداللہ کانک تراہ الخ سے فرمائی، وحدت الوجود اور وحدت الشہود وغیرہ کی بحثیں بعد

کی پیداوار ہیں، آخر کے چھ خطبوں میں سیرت نبوی کے مختلف پہلوؤں پر نہایت عالمانہ بحث کی گئی ہے، یہ خطبے ان کے برسہابرس کے مطالعہ کا نچوڑ ہیں۔ ان کا علم نہایت وسیع اور متحضر ہے، ان کا بڑا امتیاز یہ ہے کہ مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے سلسلہ میں وہ نہایت معتدل اور فراخ دل ہیں اہل تشیع کے بارے میں ان کی رائے منصفانہ اور کشادہ ظرفی کی اعلیٰ مثال ہے، (ملاحظہ ہو صفحہ ۸۲، ۸۳ خطبات بھاولپور ہندوستانی نستعلیق ایڈیشن) مختلف فیہ مسائل میں ان کا طریقہ نہایت عملی ہے کہ ہر شخص کو اپنے مسلک پر عمل کرنے کی تلقین فرماتے ہیں کوئی ایک رائے سب پر نہیں تھوپتے۔ بہت سے مسائل میں ان کا اپنا اجتھاد اور اپنی رائے ہے مثلاً وہ موسیقی کے جواز کے قائل ہیں، ٹیلی ویژن کی حرمت، ناموس سے مراد تورات، رجم کا اثبات بایں طور کہ توریت میں بھی زنا کی یہ سزا تھی، لہذا نبی اکرمؐ نے بھی اسی کو برقرار رکھا۔ مصارف زکوۃ کی تفصیل میں مولفۃ القلوب سے مراد ان کے یہاں پورا سیکریٹ سروس کا نظام آجاتا ہے، عاملین علیہا سے مراد سول ایڈمنسٹریشن اور فی سبیل اللہ میں پورا ملٹری ایڈمنسٹریشن آجاتا ہے ان کے ہاں عندالضرورۃ اعضاء انسانی کا عطیہ کرنا صحیح ہوگا، عورت کی امامت کا بھی ثبوت ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے مسائل ہیں جن پر ڈاکٹر صاحب کی رائے دوسرے اہل علم سے مختلف ہے، تاہم جو بھی رائے انھوں نے قائم کی ہے وہ دلیل و برہان کی روشنی میں۔ ان سے اختلاف تو کیا جا سکتا ہے، لیکن ان کی رایوں کو تفردات کے خانہ میں ڈال کر گزر جانا ممکن نہیں۔ جدید پیش آمد مسائل کے سلسلہ میں ان کی رایوں اور دلیلوں سے مزید غور وفکر اور مطالعہ و تحقیق کی راہ کھلتی ہے اور وہ بجاطور پر بیاباں کی شب تاریک میں قندیل رہبانی کا کام دیتی ہیں۔

ڈاکٹر حمید اللہ اس دور میں خدا کی نشانیوں میں سے تھے کہ ۹۴ سال کی عمر میں بھی ان میں جوانوں کی ہمت اور کام کرنے کا جوش اور ولولہ تھا وہ خود اپنے کپڑے دھوتے، اپنا کھانا بناتے، کسی نوکر خادم یا گھریلو عزیز و رشتہ دار کی کوئی مدد نہ لیتے۔ اور اس کا سبب ظاہر ہے کہ یہی ہوسکتا ہے کہ وہ اولوالعزم اور بڑے لوگوں میں سے تھے۔ استقامت اور لگن اور

صبر و مصابرت میں ان کی مثال نہ تھی ۔ دوسرے یہ کہ وہ فی زمانناخاصان خدااور اہل اللہ میں تھے۔تقوی و پرہیزگاری، للّٰہیت وخلوص ایسی صفات حمیدہ ہیں جوانسان کو معنوی طور پر عام سطح سے اونچا اٹھادیتی ہیں اس کے قوی اور ظاہری صلاحیتوں میں بھی بے پناہ اضافہ کرتی ہیں ۔ اس بارے میں منقول ہے کہ کسی نے ازہر کے شیوخ میں سے ایک شیخ کو دوڑتے ہوئے دیکھا جن کی عمر ۱۰۰ سال سے متجاوز ہو چکی تھی ۔ اس تعلق سے جب ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے برجستہ کہا ''ہم نے اپنے اعضاء و جوارح کی بچپن میں حفاظت کی، اللہ نے انہیں بڑھاپے میں ہمارے لئے محفوظ کر دیا'' ۔ غذا کے سلسلہ میں بھی ڈاکٹر حمید اللہ تقوی و احتیاط کے پیش نظر گوشت سے احتراز کرتے تھے ۔ وہاں حلال گوشت تو ملتا ہے لیکن وہ مشینی ذبیحہ ہوتا ہے جسے وہ حلال نہیں سمجھتے تھے اسی احتیاط کے پہلو سے انھوں نے اس سے احتراز کیا اور پھر یہی عادت ثانیہ بن گئی ۔ ان کے ایک فیض یافتہ پروفیسر عبدالرحمٰن مومن نے لکھا ہے کہ وہ مشینی ذبیحہ کی حرمت کے قائل تھے (۶) اس طرح کی احتیاط اور شدت ورع کا ایک واقعہ حضرت امام ابوحنیفہ سے بھی منقول ہے کہ جب کوفہ کی بکریاں اور بادیہ کی بکریاں خلط ملط ہو گئیں تو انہوں نے پوچھا کہ بکری کی عمر کتنی ہوتی ہے ۔ بتایا گیا کہ وہ سات سال جیتی ہے۔اس کے بعد امام صاحب نے سات سال تک گوشت نہیں کھایا۔تاریخ میں اسلاف کی شدت ورع وتقوی کے ایسے بہت سے نمونے ملتے ہیں۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی زندگی اور کارناموں پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مختلف زبانوں پر عبور اور مختلف علوم وفنون کے مطالعہ کی سلف کی اس روایت کے امین تھے جس کے نمایندے البیرونی، ابن حزم اور ابن تیمیہ تھے ۔ اور تحقیقی کاموں میں انہماک واستقامت میں انہوں نے امام بخاریؒ کی یاد تازہ کر دی ۔ ان کے کاموں اور دعوت وتبلیغ کے نتیجے میں فرانس کے اندر بطور خاص مشرف بہ اسلام ہونے والوں کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے جن میں اسکالر، علماء اور دانشور بھی ہیں ۔ اور مسلم کمیونٹی کو ان سے خاص قوت ملی ہے ۔انھوں نے اسلامی خلافت کا جدید اور عملی تصور بھی پیش کیا تھا اور خلافت کے ادارے کو زندہ کرنے کی امت کو توجہ دلائی تھی ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دھان پان سی اس

شخصیت نے مغربی معاشرہ میں کیسا خاموش انقلاب برپا کردیا۔ ان کے اٹھ جانے کے بعد آج امت اپنے ایک عظیم فرزند سے محروم ہوگئی ہے اور فکر وتحقیق کی دنیا میں ایک ناقابل تلافی خلا پیدا ہوگیا ہے۔ اللہ تعالی اس شہید علم کے مرقد پر نور کی بارش کرے اور امت کو اس کانعم البدل عطا کرے۔ آمین۔

وماکان قیس هلکه هلک واحد. ولکنه بنیان قوم تهدما

(قیس کی موت فرد واحد کی موت نہیں، اس سے پوری قوم کی بنیاد ڈھے گئی!)

حواشی:

(۱) بروایت ابو ہریرہ سنن ابوداؤد۔

(۲) بخاری نے ان سے مراد اہل علم لیے ہیں۔ صحیح بخاری کتاب الاعتصام

(۳) خطبات بہاولپور تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی یونیورسٹی اسلام آباد ج ۱۲۳، ۱۲۸۔۱۲۹

(۴) روزنامہ سیاست حیدرآباد، شمارہ ۱۹ جنوری ۲۰۰۳ء

(۵) بروایت معایہ بن ابی سفیان بخاری کتاب الاعتصام۔

(۶) عبدالرحمن مومن، اردو دنیا، قومی فروغ اردو کونسل دہلی فروری ۲۰۰۳ء

ڈاکٹر محمد حمید اللہ

ترکش ما را خدنگ آخریں

—پروفیسر خورشید احمد

برعظیم پاک و ہند کے علمی اور دینی افق کو درخشاں کرنے والے تمام ستارے ایک ایک کر کے ڈوب گئے ہیں......!

علامہ اقبال گئے، مولانا اشرف علی تھانوی گئے، مولانا ابوالکلام آزاد گئے، مولانا شبیر احمد عثمانی گئے، سید سلیمان ندوی گئے، مفتی محمد شفیع گئے، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی گئے، ڈاکٹر فضل الرحمٰن گئے، مولانا امین احسن اصلاحی گئے، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی گئے...... اور اب مشرق سے ابھرنے والی علمی کہکشاں کا آخری تارہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ مغرب کی آغوش میں ہمیشہ کی نیند سو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

محمد حمید اللہ ۱۶ محرم الحرام ۱۳۲۶ھ بمطابق ۱۹ فروری ۱۹۰۸ء، حیدرآباد دکن میں پیدا ہوئے۔ دولت آصفیہ ہی میں ابتدائی سے اعلیٰ تعلیم تک کے مراحل طے کئے اور عثمانیہ یونی ورسٹی سے جو برعظیم کی تاریخ میں اردو کے محوری کردار اور اپنی اعلیٰ علمی روایات کی وجہ سے ایک منفرد مقام رکھتی تھی ایم اے اور ایل ایل بی کی سندات امتیازی شان سے حاصل کر کے اسی جامعہ میں تدریس کی ذمہ داریاں سنبھال لیں۔ تقسیم ملک سے کچھ قبل اعلیٰ تعلیم کے لئے جرمنی گئے اور بون (Boun) یونی ورسٹی سے بین الاقوامی قانون کے موضوع پر تحقیقی مقالہ لکھ کر ڈی فل کی ڈگری حاصل کی۔ ڈاکٹر حمید اللہ کی یہی تحقیق تھی جو بعد میں ضروری اضافوں کے ساتھ ان کی شہرہ آفاق تصنیف Muslim conduct of state بنی۔ جرمنی سے فرانس منتقل ہو گئے اور سوربون (Sorbonne) یونی ورسٹی سے عہد نبوی اور خلافت راشدہ میں اسلامی

سفارت کاری کے موضوع پر مقالہ لکھ کر ڈی لٹ کی سند حاصل کی۔

اس زمانے میں سقوط حیدر آباد (۱۹۴۸ء) کا سانحہ رونما ہوا۔ اس کے بعد پھر ڈاکٹر حمید اللہ پیرس ہی کے ہو کر رہ گئے۔ میرے استفسار پر ایک بار بتایا کہ میں دولت آصفیہ کے پاسپورٹ پر یورپ آیا تھا، پھر میری غیرت نے قبول نہ کیا کہ بھارت کا پاسپورٹ حاصل کروں۔ فرانسیسی شہریت بھی ساری عمر حاصل نہ کی۔ پناہ گزیں کی حیثیت پر تمام عمر قانع رہے اور محض وثیقہ راہ داری (travel documents) کے ذریعہ عالمی سفر کرتے رہے، جس کے تحت چھ ماہ کے اندر اندر انہیں فرانس واپس آنا پڑتا تھا۔ سچی بات یہ ہے کہ وہ نہ صرف یہ کہ کسی ملک کے شہری نہ تھے بلکہ ذہنی اور مادی ہر دو اعتبار سے اس دنیا ہی کے شہری نہ تھے۔ ۷۰ سال بغیر پاسپورٹ کے گزارے اور بالآخر وہاں چلے گئے جہاں کسی دنیوی پاسپورٹ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ہاں ان کے پاس ایمان، عمل صالح اور علم و تحقیق اور دعوت و تبلیغ کے لئے وقف کی جانے والی زندگی کا سرمایہ تھا اور یہی سب سے کام آنے والی چیز ہے۔

ڈاکٹر حمید اللہ مشرق اور مغرب کی نو زبانوں پر قدرت رکھتے تھے اور چار میں (اردو، انگریزی، فرانسیسی، عربی) بلا واسطہ تحریر و تقریر کی خدمت انجام دیتے تھے۔ مطالعہ اور گفتگو کی اعلی استعداد جرمنی، اطالوی، فارسی، ترکی اور روسی زبانوں میں بھی حاصل تھی۔ پیرس کے مشہور تحقیقی مرکز Centre National de la Researche Scientifique سے ریٹائرمنٹ تک وابستہ رہے۔

علم و تحقیق اور دعوت و تبلیغ سے ایسا رشتہ باندھا کہ رشتہ ازدواج کی فکر کی مہلت بھی نہ ملی، امام ابن تیمیہ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے گھر بار کے جھگڑے سے آزاد رہے اور صرف علم کا ورثہ چھوڑا۔ عالم اسلام کی چوٹی کی جامعات میں تدریس کے فرائض انجام دیئے خصوصیت سے جامعہ استنبول سے طویل عرصے تک متعلق رہے۔ وہ ہر سال چند ماہ وہاں گزارتے تھے۔ جامعہ اسلامیہ بہاول پور میں بھی چھے (صحیح ہے ۱۲، مرتب) خطبات دیے جو خطبات بہاول پور کے عنوان سے شائع ہوئے اور ان کا خوب صورت انگریزی ترجمہ

ڈاکٹر افضل اقبال نے کیا ہے اور یہ The Emergence of Islam کے نام سے شائع ہوئے۔

میری نگاہ میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ مسلمانوں میں پہلے اور آخری مستشرق (orientalist) تھے۔ مستشرق میں ان کو اس لئے کہہ رہا ہوں کہ انہوں نے مستشرقین کے طریق تحقیق (methodology) پر ایسی ہی قدرت حاصل کر لی تھی جیسی غزالی نے یونانی فلسفے پر۔ وہ تحقیق اور طریق تالیف کے باب میں مستشرق ہوئے لیکن اس پہلو سے مستشرقین سے مختلف تھے کہ ان کا قبلہ درست تھا۔ ان کے اصل ماٰخذ قرآن و سنت اور مسلمانوں کے معتبر اہل علم کی تصانیف تھیں۔ انہوں نے اسلام کو جیسا کہ وہ ہے، دنیا کے سامنے پیش کیا۔ البتہ تحقیق و تصنیف، تلاش و جستجو، نقد و احتساب کے ان تمام ذرائع کو کامیابی اور قدرت کے ساتھ استعمال کیا جو مستشرقین کا طرۂ امتیاز سمجھے جاتے ہیں اور اس طرح علمی میدان میں اہل مغرب کا جو قرض مسلمانوں پر تھا اسے فرض کفایہ کے انداز میں ڈاکٹر صاحب نے چکا دیا اور ساتھ ساتھ وہ کیا جسے انگریزی محاورے میں paying in the same coin کہا جاتا ہے۔ الحمدللہ! (۱)

ڈاکٹر حمید اللہ فکر و نظر کے اعتبار سے ٹھیٹھ مسلمان تھے۔ انہوں نے سلف کے نقطہ نظر کو پوری دیانت سے جدید زبان اور استشراق کے اسلوب سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پیش کیا اور ایک حد تک یہ کہنا درست ہوگا کہ اسلامی علوم اور دور جدید کے طلبا اور محققین کے درمیان ایک پُل بن گئے۔

ڈاکٹر حمید اللہ کی علمی دل چسپیوں کا دائرہ بڑا وسیع تھا اور اس حیثیت سے ان کا کام کثیر جہتی (multi dimensional) تھا۔ انہوں نے تحقیق کے مختلف میدانوں میں بڑے معرکہ کی چیزیں پیش کیں لیکن شاید ان کی سب سے زیادہ دَین (contribution) مسلمانوں کے بین الاقوامی قانون کے میدان میں ہے جس میں انہوں نے علمی دنیا سے یہ منوا لیا کہ بین الاقوامی قانون کے اصل بانی مسلمان فقہاء اور علما ہیں، سترہویں صدی کے مغربی مفکرین نہیں۔ تدوین حدیث کے باب میں بھی ان کا کام

بڑا وقیع ہے اور صحیفہ ہمام ابن منبہ کی تالیف اور اشاعت ان کا بڑا کارنامہ ہے جس نے یہ ثابت کر دیا کہ حدیث کی کتابت دور رسالت مآبؐ اور دور خلافت راشدہ ہی میں شروع ہو گئی تھی۔ یہ مسودہ ان کو جرمنی کی ایک لائبریری سے ملا جس کو مناسب انداز میں تدوین کر کے اور یہ دکھا کر کہ اس اولین مسودے میں لکھی ہوئی احادیث اور بعد کے مجموعوں میں پائی جانے والی احادیث میں کوئی فرق نہیں ہے انہوں نے بڑے سائنسی انداز میں حدیث کی صحت کو منوانے میں بیش بہا خدمات انجام دیں۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی آپ کے غزوات، سفر ہجرت، خطوط اور وثائق کی تلاش اور ترتیب۔ ان سب میدانوں میں ڈاکٹر حمید اللہ نے تحقیق اور تسوید کے وہ نقوش قائم کئے ہیں جو تادیر چراغ راہ رہیں گے۔

اسلامی فقہ کی تدوین اور خصوصیت سے امام ابو حنیفہؒ کی methodology پر ان کا کام نقش راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسلامی قانون اور قانون روما کے فرق کو بھی انہوں نے بڑے قاطع دلائل سے ثابت کیا اور مستشرقین کے اس غبارے سے ہوا نکال دی کہ اسلامی قانون دراصل قانون روما سے ماخوذ ہے۔ دنیا کی مختلف زبانوں میں قرآن پاک کے ترجموں کی معلومات کو جمع کرنا بھی ان کا ایک پسندیدہ موضوع تھا اور اس سلسلے میں ان کی کاوش اساسی اور بنیادی کوشش کا مقام رکھتی ہے۔ ان کے طرز تحقیق میں صرف کتابی محنت ہی شامل نہ تھی۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر ہجرت کی تحقیق میں انہوں نے پا پیادہ اور گھوڑے اور اونٹ کی پیٹھ پر بیٹھ کر اس راستے پر عملاً سفر کیا جس سے حضورؐ پاک نے ہجرت فرمائی تھی اور اس طرح اس شاہراہ کو متعین کیا جو روایات میں دھندلی ہو گئی تھی۔ قرآن پاک اور سیرت مبارکہ ان کی زندگی کے صورت گر ہی نہ تھے ان کی علمی دلچسپی کا بھی محور تھے۔

فرانسیسی زبان میں قرآن پاک کا ترجمہ اور فرانسیسی زبان ہی میں دو جلدوں میں سیرت پاک کی تدوین بھی ان کے نمایاں کاموں میں سے ایک ہے۔ سیرت کی کتاب کا انگریزی ترجمہ بھی ڈاکٹر صاحب نے خود ہی کیا ہے جو شائع ہو گیا ہے۔ ۱۰۰ سے زیادہ

مقالے اور مضامین ان کے قلم سے نکلے اور اہل علم کی تشنگی دور کرنے کا ذریعہ بنے۔ یقیناً ان کی چھوٹی بڑی کل کتب کی تعداد ۱۵۰ سے زیادہ ہے۔

ڈاکٹر حمید اللہ سے میری پہلی ملاقات اس زمانے میں ہوئی جب میں ابھی طالب علم تھا اور اسلامی جمعیت طلبہ میں سرگرم تھا اور وہ پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی کو اسلامی دستور سازی میں مدد دینے کے لئے پاکستان آئے ہوئے تھے۔ وہ مولانا سید سلیمان ندوی، مفتی محمد شفیع اور مولانا ظفر احمد انصاری کے ساتھ مجلس تعلیمات اسلامی کے رکن تھے اور اسمبلی کی عمارت ہی کے ایک حصے میں ان کا دفتر تھا۔ ان کے علم کی وسعت اور اس کے رعب کے تحت میرے ذہن نے ان کی ایک تصویر بنالی تھی لیکن ان کو دیکھ کر مجھ کو ایک دھچکا سا لگا۔ میں نے ان کو ایک دبلا پتلا اور سادہ سا فقیر منش انسان پایا۔ اکہرا بدن، لمبا قد، صاف رنگ، کتابی چہرہ، اوسط لمبائی کی مگر غیر کفی ڈاڑھی، پُرنور آنکھیں۔ اور ان سب سے بڑھ کر انکسار کا مجسمہ، تواضع کا پتلا، سادگی کا پیکر اور جس چیز نے سب سے زیادہ حیران کیا وہ یہ تھی کہ اسمبلی کے دفتر میں کرتے پاجامے میں ملبوس اور پاؤں میں کھڑاؤں ...... پتا نہیں آج کی نسل اس شے سے واقف بھی ہے یا نہیں۔ ہمارے بچپن میں وضو کے لئے لکڑی کی سادہ سی چپل ہوتی تھی جسے کھڑاؤں کہتے تھے اور جو بالعموم غسل خانے میں رکھی جاتی تھی۔ میرے ذہن کے کسی گوشے میں بھی یہ تصور نہ آسکتا تھا کہ کوئی اسمبلی کے دفتر میں کھڑاؤں پہنے بیٹھا ہوگا۔

حیرانی کی یہ کیفیت چند ہی لمحات میں ان کی شفقت اور پیار سے بھری باتوں سے دور ہوگئی اور تبحر علمی کے ساتھ ان کا انکسار دل پر نقش ہوگیا۔ بات آہستہ آہستہ دھیمے لہجے میں، کچھ کچھ رک کر اور سر ہلا ہلا کر کرتے تھے مگر اس طرح کہ دل میں اتر جاتی تھی۔

پھر ڈاکٹر صاحب نے اس وقت مجھے چونکا دیا جب چراغ راہ کے اسلامی قانون نمبر کی اشاعت پر بالکل غیر متوقع طور پر ان کا تین صفحے کا خط موصول ہوا۔ اور تین صفحے بھی ایسے کہ ان میں ۱۰ صفحوں کا لوازمہ موجود تھا، کیونکہ ڈاکٹر صاحب ہلکے کاغذ پر چھوٹے حروف میں اس طرح لکھتے تھے کہ مختصر حاشیے کے سوا ہر جگہ بھری ہوتی تھی۔ اس سے بھی زیادہ چونکا دینے والی بات ان کی محنت تھی۔ اسلامی قانون نمبر پر بہت خوش تھے۔ بڑی فراخ دلی سے

اس کی تعریف کی لیکن ساتھ ہی بڑے انکسار سے لکھا کہ آپ کو زحمت سے بچانے کے لئے دوسرے ایڈیشن کے لئے کتابت کی غلطیوں کی نشان دہی کرر ہا ہوں۔ اور اس طرح صفحہ اور سطر کے تعین کے ساتھ، تین صفحوں میں انہوں نے میری اور میرے ساتھیوں کی بے احتیاطی کی تلافی کا سامان کر دیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب سے خط وکتابت کا سلسلہ ۴۰ سال پر پھیلا ہوا ہے مگر کس دل سے لکھوں کہ اس کا بیشتر حصہ محفوظ نہ رہ سکا۔ آخری خط میری مختصر کتاب Family Life of islam کے فرانسیسی ترجمے پر ان کی تصحیح وتنقید سے عبارت تھا۔

ڈاکٹر صاحب نے ۱۹۴۸ء میں جو فلیٹ پیرس میں کرائے پر لیا تھا وہ ایک ایسی عمارت کی چوتھی منزل پر تھا جس میں لفٹ نہ تھی۔ انہوں نے پیرس کے قیام کے آخری ایام تک اسی میں سکونت رکھی۔ اس فلیٹ کا ایک ایک کونہ بشمول باورچی خانہ کتابوں سے بھرا ہوا تھا اور یہی ان کی سب سے بڑی دولت تھی۔ زندگی اتنی سادہ کہ کپڑے کے چند جوڑوں اور کھانے کے چند برتنوں کے سوا ان کے گھر میں کچھ بھی نہ تھا۔ کھانے کے بارے میں بھی اتنے محتاط تھے کہ حلال گوشت نہ ملنے کے باعث زمانہ طالب علمی میں ہی گوشت کو خیر باد کہہ دیا تھا۔ سبزی اور پنیر پر گزارا کرتے تھے اور جب یہ شبہہ ہوا کہ پنیر میں بھی جانور کی آنتوں کی چربی استعمال ہوتی ہے تو اس سے بھی دست کش ہو گئے۔ علم وتقویٰ، قناعت اور سادگی میں سلف کی مثال تھے۔

میں نے ڈاکٹر صاحب کے ساتھ متعدد علمی مذاکرات میں شرکت کی ہے لیکن سب سے زیادہ یادگار وہ مخیم (تربیتی کیمپ) تھا جو فرانس میں ایک دیہاتی علاقے میں فرانس کے مسلمان طلبہ کی اسلامی تنظیم (UMSO) کے تحت منعقد ہوا تھا اور جس میں پانچ دن رات ہم نے ساتھ گزارے۔ ڈاکٹر صاحب بھی عام طلبہ کی طرح زمین پر سوتے اور اپنے برتن اپنے ہاتھ سے دھوتے تھے۔ مجھے یہ سعادت بھی حاصل ہوئی کہ کمال التفات سے ڈاکٹر صاحب نے میری تقاریر کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ فرمایا۔ جزاہم اللہ خیر الجزاء

وقت کی پابندی میں بھی ڈاکٹر صاحب اپنی مثال آپ تھے۔ اس کی کوئی دوسری مثال اگر میں دے سکتا ہوں تو وہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی ہے۔ یہاں اس واقعے کا

ذکر بھی شاید غیر متعلق نہ ہو (اور اس کے راوی ڈاکٹر صاحب کے دیرینہ ساتھی اور میرے بزرگ دوست احمد عبداللہ المسدوسی مرحوم ہیں) کہ حیدرآباد کا نوجوان حمید اللہ اپنی پوری طالب علمی کے دور میں صرف ایک بار کلاس میں تاخیر سے پہنچا (غیر حاضری کا تو سوال ہی نہ تھا) اور یہ وہ دن تھا جب ان کی والدہ کا انتقال ہوا۔ تدفین کے بعد یہ نوجوان سیدھا جامعہ گیا اور کلاس میں شریک ہو گیا۔

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ
افسوس تم کو میر سے صحبت نہیں رہی

ڈاکٹر حمید اللہ صرف علم و تحقیق ہی کے مردمیدان نہ تھے، دعوت و تبلیغ میں بھی ڈوبے ہوئے تھے۔ پیرس کی جامع مسجد میں ایک مدت تک تعلیم و تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے۔ انفرادی ملاقاتوں سے لے کر تبلیغی دورے اور ملکی اور بین الاقوامی کانفرنسیں ...... ہر جگہ انہوں نے دعوت کا کام انجام دیا۔ فرانس میں وہ صرف شمالی افریقہ کے مسلمانوں کا ہی مرجع نہ تھے بلکہ فرانسیسی مسلمانوں کا بھی ایک حلقہ ان کے گرد قائم تھا۔ طلبہ اور نوجوانوں میں وہ بے حد مقبول تھے۔ وہ ان کو وقت دینے میں بے پناہ فراخ دل تھے۔

ڈاکٹر حمید اللہ سیاسی آدمی نہ تھے۔ ارباب حکومت نے ان کو قریب لانے کی کوشش کی لیکن وہ ہمیشہ ان سے کنارہ کش رہے۔ علمی اور ادبی اعزازات نے ان کا پیچھا کیا لیکن وہ ہمیشہ ان سے دامن کش رہے۔ مجھے علم ہے کہ فیصل ایوارڈ میں ان کا نام آیا لیکن انہوں نے معذرت کر لی۔ پاکستان نے ہجری ایوارڈ ان کو پیش کیا مگر انہوں نے رسمی طور پر قبول کرنا پسند نہ کیا اور رقم اسلامک یونی ورسٹی کے لئے وقف کر دی۔ سیاسی نہ ہوتے ہوئے بھی ان کی دینی حس اتنی بیدار تھی کہ آزاد حیدرآباد دکن سے یورپ جانے کے بعد مقبوضہ حیدرآباد دکن کبھی واپس نہ آئے بلکہ جب میں نے اصرار کیا کہ اسلامک فاؤنڈیشن لسٹر کے پروگرام میں شریک ہوں تو بڑے دکھے دل سے کہا کہ میں اس انگلستان کی سرزمین پر قدم رکھنا پسند نہیں کرتا جس نے میرے آزاد ملک کو بھارت کی غلامی میں دے دیا۔ وہ کبھی برطانیہ نہ آئے۔

ڈاکٹر حمید اللہ اس وقت تک تصنیف و تالیف اور تحریر و تقریر میں مصروف رہے جب تک قویٰ نے ساتھ دیا۔ جب بیماریوں نے اس طرح آلیا کہ یہ کام جاری نہ رکھ سکے تو اپنی جان سے قیمتی لائبریری علمی کاموں کے لئے وقف کر دی اور خود امریکہ میں اپنے عزیزوں کے پاس چلے گئے۔ جب مجھے ایک اعلیٰ پاکستانی افسر اور سید حسین نصر (مشہور ایرانی عالم و دانشور) کے توسط سے ان کی اس حالت کا علم ہوا تو میں نے کوشش کی کہ وہ پاکستان تشریف لے آئیں اور اس سلسلے میں صدر مملکت کو میں نے ایک خط بھی لکھا جس کا مثبت جواب ملا۔ لیکن ڈاکٹر صاحب نے اپنے اعزاء ہی کی پیش کش کو ترجیح دی اور فلوریڈا منتقل ہو گئے۔ افسوس پاکستان ان کے اس آخری دور میں ان کی خدمت کی سعادت سے محروم رہا۔ ۲۰۰۲ء کے دسمبر کے تیسرے ہفتے میں ایک صدی (۹۵ سال) اس عالم ناپایدار میں گزار کر، علم و دعوت کی سیکڑوں شمعیں روشن کر کے، اللہ کا یہ بندہ اپنے رب کی طرف مراجعت کر گیا تا کہ عباد الرحمٰن کے ابدی مسکن کو پالے۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے ان کی بشری لغزشوں سے صرف نظر کرے اور انہیں جنت کی بہترین وادیوں میں جگہ دے۔ آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے۔

جہاں بانی سے ہے دشوار کار جہاں بینی
جگر خوں ہو تو چشم دل میں ہوتی ہے سحر پیدا
ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

---

(۱) ڈاکٹر صاحب مشرق کے ہی فرزند تھے ان کا کمال تو یہ تھا کہ انہوں نے مغربی علوم اور زبانوں پر مہارت حاصل کی، مغربی علماء کے طریقہ تحقیق کو استعمال کر کے ان کے دعاوی کا ابطال کیا اس لئے ان کے لئے صحیح لفظ مستشرق نہیں مستغرب (مغربی علوم کا ماہر) ہے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی رحلت کی خبر سن کر

(تاریخ وفات: ۱۸ دسمبر ۲۰۰۲ء)

——پروفیسر رشید احمد انگوی

اسم بامسمیٰ ''محمد حمید اللہ''...... فکر انسانی وملت اسلامیہ کی تاریخ کا حسن ...... محقق، مورخ، مدرس، مبلغ...... قانون، تہذیب، تعلیم، تصنیف کی دنیا کا امام ...... حسن ظاہر و باطنی کا بے مثل مرقع...... کتنا خوب صورت نام، کتنا خوب صورت کام، کتنا خوب انسان، چلتا پھرتا ''عبادالرحمٰن''......

جی ہاں یہ ہے تذکرہ اس انسان کا جس نے برصغیر ہندوپاک کی سرزمین حیدرآباد دکن میں جنم لیا، ہند اور یورپ کی اعلیٰ ترین دانش گاہوں سے فیض پایا، نورِ ایمان سے منور ہو کر پیرس کی فضاؤں کو حرارت ایمانی سے گرمایا اور امریکہ کی تاریک تہذیب کے مقدر کو سنوارنے کے لئے عمر عزیز کے الوداعی لمحات میں ان انسانوں کے وطن میں شہادت حق پیش کی جو کہ دنیا بھر کے امن وسلامتی کو تاراج کرنے کے من پسند نشے میں غرق پھرتے ہیں۔ مرد میدان تھا، خاندانی اور وراثتی مسلمانوں کی فضاؤں سے دور، اعداء کی زمینوں کو بسایا اور شمع ہدایت کے پروانوں کو ایمان کی لڑی میں پروتا رہا۔ کیا دنیا کی حالیہ صدیوں نے کسی اور حمید اللہ کا نظارہ بھی کیا۔ کسی کو علم ہو تو بتائے بقول اقبال

دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں

جب دنیا مادیت کے اندھیاروں پر فریفتہ تھی، عاجلہ کے طلب گاروں کو آخرت کا تذکرہ بھاتا نہ تھا، علم پر جہالت و جاہلیت و وحشت و درندگی غالب تھی، اسی بیسویں صدی کی

تین چوتھائی اور اکیسویں صدی کے ابتدائی زمانہ نے اس انسان کو دیکھا جو ایک عجب انسان تھا، اتنا مدبر، اتنا نفیس، اتنا شاکر، اتنا قانع، اتنا بہادر، اتنا دلیر کہ علم کی قدر جانی اور پھر سراپا علم وتحقیق، ہمہ وقت عالم ومحقق بن کر دکھا دیا۔

دین متین کے پیغام کو عام کرنے کے لئے دنیا بھر کو اپنا مخاطب بناتے ہوئے سولہ زبانوں میں لکھا اور آٹھ زبانوں میں قرآن کی تفسیر تیار کی۔(۱) کیا انسان کے روپ میں قدسی وجود نہ تھا۔ پیغمبر عربی کے اسوہ کو عام کرنے کے لئے عہد نبوی کے روشن وراہ نما طرز وفکر کو کھنگال کر ہم عصروں تک پہنچایا اور آنے والے زمانوں کی ہدایت کا سامان کر دیا۔ لاقانونیت وجاہلیت میں غرق دنیا پر اس عظیم محسنؑ انسانیت کے احسان عظیم کی وضاحت کی کہ کس طرح تاریخ انسانیت میں پہلی مرتبہ ''تحریری دستور'' کی نقاب کشائی کی گئی۔

سرزمین پاکستان کے متلاشیان علم کی پکار کانوں میں پہنچی تو کشاں کشاں لبیک کہتا ہوا پہنچ گیا اور بہاولپور اسلامیہ یونیورسٹی کے غلام محمد گھوٹوی ہال کے ''کلاس روم'' میں ہر عمر اور ہر نوع کے انسانوں کے سامنے یوں ''نغمہ سرا'' ہوا کہ دو ہفتے مسلسل منہ سے پھول گرتے رہے، گھنٹوں لیکچر دیئے مگر مجال جو کبھی کاغذ کی کوئی چٹ بھی سامنے ہو۔ بس اسٹیج پر جلوہ گر ہوتا اور دل ودماغ کی روشن تختی سے ایسے پڑھ کر سناتا جیسے پیدا ہی اسی کام کے لئے ہوا تھا۔...... حکمت حمید اللہی کے چند نمونے دیکھیئے۔

پیرس کی خواتین کی جانب سے سوال آتا ہے کہ عورت کو پردہ کیوں کرایا جائے؟ جواب عطا ہوتا ہے کہ صنف نازک کو اللہ نے سورج کی تمازت اور پالوشن سے محفوظ رکھنے کے لئے حجاب کی نعمت سے نوازا...... سوال ہوتا ہے ملت اسلامیہ کے مسائل کا حل، جواب عطا ہوتا ہے، ''اتحاد عالم اسلامی'' جس میں باربار ہر ملک کا سربراہ قیادت کرلے۔

پوچھا گیا کیا اجتہاد جائز ہے؟ جواب آتا ہے اجتہاد کو کس نے بند کیا، کب بند کیا، ہم نہیں جانتے۔ اجتہاد تو قیامت تک جاری رہے گا......... سوال ہوا شادی کیوں نہ کی، جواب تھا علم وتحقیق کا مشغلہ اس قدر حاوی تھا کہ ادھر ادھر خیال ہی نہ ہوا۔......... سوال ہوا خاندانی منصوبہ بندی جائز ہے؟ جواب تھا میں تو چاہوں گا کہ فرانس میں بہت مسلمان

پیدا ہوں کہ مسلمانوں کی قوت میں اضافہ ہو۔تلقین فرمائی کہ اللہ کے حکم کے مطابق اس کے انعامات کا تذکرہ کیا کرو............عورت کی حکمرانی جائز ہے؟ جواب تھا ہاں ایسے حالات میں کہ اس کے بغیر گزارہ نہ ہو..............انداز بیاں کیا تھا۔''میرا خیال ہے کہ.......... ہوسکتا ہے میرا خیال درست ہو، ہوسکتا ہے درست نہ ہو'' یعنی کسی پر کوئی رائے ٹھونسنے کا کوئی تصور نہیں۔

گفتگو اور لہجہ میں ایسی شیرینی کہ طویل عرصہ تک اس کی یاد ہی دل کو مسرت و شادمانی سے نوازے...... پوچھا گیا کہ پردہ سے عورت کے لئے زندگی کے معاملات میں مشکلات پیش آسکتی ہیں، جواب تھا اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں، چرچ سے وابستہ عیسائی خواتین جو لباس زیب تن کرتی ہیں وہ بالکل اسلامی حجاب سے ہم آہنگ ہے ہم اسی کی بات کرتے ہیں۔

ڈاکٹر حمید اللہ کے تذکرہ کے ساتھ ہی ''کعبہ سے ان بتوں کو بھی نسبت ہے دور کی'' کے مصداق ایک دو باتیں یاد آجاتی ہیں۔اللہ تعالی کا احسان ہوا کہ اس مردمومن کی یاد کے ساتھ ہی میرے جیسے بیکار انسان کی زندگی کے چند مبارک لمحات بھی وابستہ ہو گئے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ:

ا۔خواجہ فرید گورنمنٹ کالج رحیم یار خان میں پڑھا رہا تھا کہ سننے میں آیا کہ ڈاکٹر حمید اللہ بہاولپور یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر عبدالقیوم کی دعوت پر بارہ دن کے لئے تشریف لا رہے ہیں۔

دل میں اشتیاق تھا کہ تمام لیکچرز سنے جائیں۔مگر سلطان ابوظہبی وظائف (جن کا میں ان دنوں انچارج تھا) کے حوالے سے کیس تیار کر کے بھجوانا تھا۔چنانچہ ڈیوٹی کی ادائیگی کا مسئلہ ذاتی خواہش وتمنا پر غالب آگیا...... تاہم دو لیکچر سننے کے لئے بہاولپور پہنچ گیا۔غلام محمد گھوٹوی ہال اور اس کے بیرونی راستے کھچا کھچ بھرے ہوتے۔عصر کے بعد لیکچر شروع ہوتا۔نماز مغرب تک لیکچر پورا ہوجاتا۔ہال کے باہر نماز مغرب ادا ہوتی اور نماز کے بعد عشاء تک سوالات کے جواب دیے جاتے۔حقیقت یہ ہے کہ یہ علم ونور کی بارش تھی۔ڈاکٹر

صاحب کی پاکیزہ وشفاف ہستی دلوں کو گرفت میں لیے ہوئے تھی۔ بہت سے سوالات فقہی گروہی مسائل کے اختلافات سے متعلق ہوتے۔ کیا نماز ہاتھ باندھ کر پڑھی جائے یا ہاتھ کھلے چھوڑ کر ڈاکٹر صاحب کا جواب تھا۔ ''ایک شخص کے پاس ایک روایت پہنچی اس نے وہ طریقہ اختیار کیا، دوسرے کے پاس دوسری روایت پہنچی اس نے وہ راستہ اختیار کیا، دونوں درست ہیں۔ اگر ایک شخص اصرار کرتا ہے کہ اس کے امام کی بات کو ہی مانا جائے تو معلوم ہے اس کا مطلب کیا ہے؟ کیا وہ یہ چاہتا ہے کہ رسول اللہ اس کے امام کی اتباع کرتے''۔ اتحاد بین المسلمین کے لحاظ سے یہ ایک مسکت دلیل تھی ...... ڈاکٹر صاحب رفع یدین کرتے اور اذان کے دوران انگوٹھے چومتے۔ سوال ہوا کہ انگوٹھے چومنے کے بارے میں آپ کی کیا تحقیق ہے؟ جواب دیا ''کوئی تحقیق نہیں۔ بچپن میں استاد کو دیکھا اور اختیار کر لیا۔ محبت میں دلیل نہیں مانگی جاتی'' .... معلوم ہوا ڈاکٹر صاحب شافعی مسلک کے حامل تھے........

حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر حمید اللہ کے لیکچر کا انداز اس قدر دل کش تھا کہ راقم نے کئی ہفتوں تک اپنی کلاس میں بلا ساختہ ڈاکٹر صاحب کا اسلوب اختیار کیے رکھا۔ اسے کیا کہیں گے!!

۲۔ چند سال بعد کی بات ہے۔ ''تکبیر'' میں خبر دیکھی کہ ڈاکٹر صاحب حکومت پاکستان کی دعوت پر پاکستان آ رہے ہیں۔ اور چند خطابات ہوں گے۔ خبر اٹھا کر تنظیم اساتذہ خواجہ فرید کالج کے یونٹ سیکرٹری اور شعبہ تاریخ کے سربراہ پروفیسر حافظ شبیر احمد ملک کو دکھائی اور خواہش ظاہر کی کہ عالم اسلام میں اس پائے کا کوئی اور محقق دکھائی سنائی نہیں دیتا۔ عمر کے اس مرحلہ پر ہیں کہ زیارت کا ایسا موقع پھر شاید ہی ملے اس لئے اسلام آباد چلنا چاہئے۔ حافظ صاحب فی الفور آمادہ ہو گئے اور ہم دونوں ''طالبان علم'' عصر حاضر کے قدیم و جدید پر عبور رکھنے والے بے مثال ''بحر العلوم'' سے فیض یاب ہونے کے لئے پا بہ رکاب ہوئے کراچی سے میانوالی جانے والی بس پکڑی گئی۔ وہاں ایک دو گھنٹے ٹھہر کر اسلام آباد کی بس حاصل کی گئی۔ اسلام آباد پہنچتے ہی ڈاکٹر امجد عبید (ای این ٹی سپشلسٹ) سے رابطہ کیا گیا۔ ان کے ذمہ لگایا گیا تھا کہ لیکچرز کے حوالہ سے دعوتی کارڈ وصول کر رکھیں۔ پہلا لیکچر شاہ فیصل یونیورسٹی میں تھا۔ سب سے پہلے ہال میں پہنچ جانے والے یہ رحیم یار خانی

''طالبان'' تھے۔ فرنٹ لائن پر چند ضعیف العمر علمی شخصیات تھیں۔ ایک ڈاکٹر رضی الدین صدیقی تھے۔ جسمانی ساخت ڈاکٹر حمید اللہ سے بہت مشابہ۔ ڈاکٹر صاحب بھی پہنچ گئے۔ ڈاکٹر صدیقی ساتھیوں سے کہہ رہے تھے، حمید اللہ میرا شاگرد ہے۔ واہ کیسا شاگرد، کیسا استاد، ہم ایک استاد کو اپنے شاگرد کا عروج دیکھتے، دیکھ رہے تھے، ڈاکٹر صاحب کا خطاب ''اسلام میں اجتہاد'' کے عنوان سے تھا۔ جو پچیس سے تیس منٹ تک ہوا۔

درمیان میں ڈاکٹر صاحب کو سرکاری کارندہ نے بتایا کہ صدر پاکستان ملاقات کے منتظر ہیں۔ چنانچہ صدارتی مداخلت پر یہ گفتگو درمیان میں ختم کر دی گئی۔ اگلے روز اوپن یونیورسٹی آڈیٹوریم میں لیکچر تھا۔ ہم پہلے پہنچ گئے۔ وہاں صلاح الدین مرحوم سے ملاقات ہوئی انہیں بتایا کہ تکبیر کی اطلاع پر ہمارا یہ سفر عمل میں آیا۔ بہت خوش ہوئے۔ حالات حاضرہ کے حوالے سے مختصر گپ شپ ہوئی۔ انہیں رحیم یار خان کا دورہ کرنے کی دعوت دی گئی۔ جس کا پروگرام حقیقت کا روپ نہ دھار سکا...... لیکچر ہوا۔ سیرت طیبہ کے موضوع پر مفصل اور فکر انگیز خطاب تھا۔ (دو سال پہلے اپنے نوٹس کی مدد سے پندرہ دن کی محنت سے صاف صاف لکھ کر مع اصل نوٹس تنظیم منزل پہنچایا کہ افکار معلم میں چھپ جائے۔ مگر جس طرح کاغذوں کے ذخیرہ میں ہوتا رہتا ہے، یہ مضمون کسی گم نام و بے نام منزل کی جانب روانہ ہو گیا۔ ورنہ آج اسے ضرور شائع ہونا تھا...... بس تقدیر الٰہی) معلوم ہوا اگلے روز لاہور میں سینٹ ہال میں خطاب ہے۔ ہم وہاں بھی حاضر۔ شام الطاف حسن قریشی کے ادارہ میں ڈاکٹر صاحب کا خطاب تھا۔ یہاں بھی بہت فکر انگیز گفتگو تھی۔ راقم ایک ایک لفظ قلمبند کرنے میں مگن رہا۔ یہاں ڈاکٹر صاحب نے عالم اسلام کی مشترکہ اسلامی ریاست قائم کرنے کا نظریہ پیش کیا۔ جس کی قیادت باری باری مسلمان ممالک کے سربراہ کرتے رہیں۔ اس پوری سیریز کا اہم ترین اور جامع ترین خطاب الحمراء آڈیٹوریم میں تھا۔ اہتمام پروفیسر مرزا محمد منور نے کیا تھا۔ بلا مبالغہ یہاں سینکڑوں سوالات کے جوابات دیے گئے۔ علم و فضل کا بحر بیکراں علم کے پیاسوں کو سیراب کر رہا تھا۔ لہجے میں وہی ٹھہراؤ، نہ اتار نہ چڑھاؤ، نہ پریشانی نہ فکر، بس اللہ دے اور بندہ لے'' کا منظر تھا۔ یہاں

ڈاکٹر صاحب کا مفصل تعارف بھی کرایا گیا۔ اس پوری نشست کا ریکارڈ بھی راقم کے بے ہنگم کاغذی انبار کے اندر کہیں پڑا ہوگا۔..........

ڈاکٹر صاحب کا اگلا خطاب کراچی میں تھا۔ ہم نے حسرت سے اپنی جیبوں کو ٹٹولا جہاں ہوائی جہاز کا کرایہ نہیں تھا۔ مگر جو خزانہ حاصل ہو چکا تھا۔ اس پر اللہ کریم کا شکر ادا کیا۔ آج خود اپنی بدحالی اور بے کاری کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ قدرت ہم پر کس قدر مہربان تھی۔ ہم دو بندگان بے نوا کو سینکڑوں میل کا سفر کر کے "علامۃ العصر" کے سامنے بٹھا دیا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے فخر سے کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے عالم اسلام کی اس مایہ ناز علمی ہستی کے اتنے خطابات سنے اور اتنے وقت تک زیارت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہماری ان طالب علمانہ کاوشوں کو ہماری ہدایت کا باعث بنا دے اور علم و عمل کی دولت سے مالا مال کرے۔ آمین

ڈاکٹر حمید اللہ کی رحلت کی خبر سنتے ہی یہ سب کیفیات از بر ہو گئیں۔ برادر مہربان جناب ظفر حجازی (مدیر افکار معلم لاہور) نے حکم دیا کہ کاغذ قلم پکڑو اور اس موضوع پر تحریر کرو۔ تعمیل ارشاد میں 'قلم برداشتہ' یہ سطور تحریر کا روپ دھار گئیں۔

(۱) اس کی دوسرے کی حوالے نہیں ہو سکی۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ انھوں نے فرنچ انگریزی اور جرمنی قرآن کا ترجمہ و تشریح کی ہے۔

صاحب 'خطبات بہاولپور' کا تعارف

— عبدالقیوم قریشی
وائس چانسلر اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور

''خطبات بہاول پور'' کے نام سے شائع ہونے والی یہ کتاب عام کتابوں سے یوں مختلف ہے کہ اسے کسی مصنف نے کتاب کے طور پر نہیں لکھا بلکہ اس میں ان خطبات کو یکجا کیا گیا ہے جو ایک عالم تبحر نے، نہایت شگفتہ مگر فاضلانہ گفتگو کے انداز میں کسی تحریری یادداشت کے بغیر، متعدد اسلامی موضوعات پر، اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور میں مسلسل بارہ روز دیے۔ ان خطبات کو دوران گفتگو ٹیپ پر ریکارڈ کر لیا گیا تھا اور پھر تحریر میں لا کر کم و بیش من وعن شائع کر دیا گیا۔

فاضل مقرر کا اسم گرامی ڈاکٹر محمد حمید اللہ ہے جو سالہا سال سے پیرس میں مقیم ہیں اور فرانس کے نیشنل سینٹر آف سائنٹیفک ریسرچ سے بیس سال سے منسلک رہنے کے بعد اب نجی طور پر اسلامی تحقیق و تبلیغ و تالیف کا کام پیرس ہی میں جاری رکھے ہوئے ہیں اور اپنے تحقیقی و تبلیغی کارناموں کی بدولت مشرق و مغرب کے علمی حلقوں میں یکساں طور پر معروف و ممتاز ہیں۔

قدیم جامعہ عباسیہ، بہاول پور کی بنیاد امیر بہاول پور، نواب محمد صادق خاں خامس عباسی مرحوم نے ۱۹۲۵ء میں رکھی تھی۔ بعد میں وحدت مغربی پاکستان کے وجود میں آنے پر یہ دینی درس گاہ جامعہ اسلامیہ کہلانے لگی اور پھر ترقی کے مدارج طے کرتی ہوئی ۱۹۷۵ء میں اسلامیہ یونیورسٹی بن گئی۔ یونیورسٹی کے وسیع تر مقاصد کے پیش نظر اس میں کلیہ معارف اسلامیہ کے علاوہ کالج علوم عمرانی اور کلیہ علوم طبیعی بھی قائم کیے گئے ہیں۔ تاہم مرکزی حیثیت علوم اسلامیہ ہی کو حاصل ہے۔

نومبر ۱۹۷۸ء میں جب مجھے اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کی سربراہی تفویض ہوئی تو میرا پہلا کام ایسے ارباب علم وفضل کی تلاش تھی جو علوم اسلامی میں بالخصوص اور دیگر علوم میں بالعموم گہری نظر رکھتے ہوں اور ہماری نوزائیدہ دانش گاہ کو اعلیٰ ترین علمی بنیادوں پر استوار کرنے میں ممد ومعاون ثابت ہوں۔ اسی تجسس کے دوران میری ملاقات اسلامی نظریاتی کونسل کے چیرمین جسٹس محمد افضل چیمہ صاحب سے ہوئی جنہوں نے ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب سے مجھے غائبانہ طور پر متعارف کرایا۔ چنانچہ میں نے ڈاکٹر صاحب سے سلسلہ مراسلت کا آغاز کرتے ہوئے ایک ایسی دانش گاہ کے اجمالی خاکے کی بابت مشاورت کی جو صحیح معنوں میں اسلامی یونیورسٹی کہلانے کی مستحق ہو۔ میں ممنون ہوں کہ ڈاکٹر صاحب نے اس ضمن میں ہمیشہ انتہائی شفقت اور خلوص کے ساتھ میری راہنمائی فرمائی۔ خط و کتابت کا سلسلہ جب آگے بڑھا تو میں نے فروری ۱۹۷۹ء میں ڈاکٹر صاحب کو یونیورسٹی میں ''سیرت چیئر'' کی پیش کش کرتے ہوئے لکھا کہ اگر آپ ہماری درخواست کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے معارف اسلامیہ کے متعدد شعبہ جات کو اپنی سرپرستی میں چند سالوں کے اندر منظم کر جائیں اور اپنے جذب وشوق سے ہمارے نوجوانوں کو متاثر کرتے ہوئے ان کے دلوں میں مطالعہ وتحقیق کی ایسی لگن پیدا کر دیں کہ وہ آپ کے علمی کام کو آگے بڑھانے کے قابل ہو جائیں تو یہ آپ کا ہم پر اور ہماری آئندہ نسلوں پر بہت بڑا احسان ہوگا کیونکہ اس طرح چراغ روشن ہونے کا ایک سلسلہ چل نکلے گا جو بہت دور رس اور نتیجہ خیز ثابت ہوگا۔ اس خط کے جواب میں ڈاکٹر صاحب نے تحریر فرمایا کہ ملک فرانس کے قوانین جہاں وہ پناہ گزین کی حیثیت سے مقیم ہیں، پانچ ماہ سے زیادہ ملک سے باہر رہنے کی اجازت نہیں دیتے۔ اس لئے پاکستان میں طویل قیام ممکن نہیں ہے، البتہ سیرت پاک پر مہینے پندرہ دن کا سلسلہ تقاریر یا سلسلہ درس خوشگوار موسم میں ممکن ہے۔ میں نے اگلے خط میں درسی تقاریر کی پیش کش کا شکریہ ادا کرتے ہوئے پھر اصرار کیا کہ ہمارے درمیان چند سال کے ئے سکونت پذیر ہونے کی کوئی صورت نکالیے تاکہ ہمارے نوجوان آپ جیسے فاضل اجل کی صحبت سے بہرہ ور ہو کر علم و دانش کی صحیح قدر و منزلت پہچان سکیں اور ان کے

ذہنوں سے علمی کم مائیگی کا وہ احساس جو دورِ غلامی کے ورثے کی صورت میں ہم سے چمٹا ہوا ہے، جاتا رہے۔ میرے اس اصرار پر ڈاکٹر صاحب نے ایک طویل خط لکھا جس میں انہوں نے اپنے اس عظیم اسلامی مشن کی طرف اشارہ کیا جس کے لئے انہوں نے اپنی زندگی وقف کر رکھی ہے۔ اس خط سے مجھ پر یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ تحقیق و تبلیغ اسلام کے سلسلے میں موصوف جو عظیم خدمات مغربی زبانوں میں مقالے اور کتابیں لکھ کر اور اپنے خطبات کے ذریعے انجام دے رہے ہیں، ان کے پیش نظر انہیں اپنی زندگی کا مشن چھوڑنے پر مجبور نہیں کرنا چاہیے۔ چنانچہ میں نے آپ کی درسی تقاریر کی پیش کش کو غنیمت جانتے ہوئے آپ کے ساتھ دو ہفتوں لیکچر سیریز کا پروگرام طے کیا جو بعض محکمانہ رکاوٹوں کو سر کرنے کے بعد مارچ ۱۹۸۰ء میں ممکن ہوا۔ اس پرگرام کا خاکہ جو ڈاکٹر صاحب نے خود ہی تجویز فرمایا، یوں تھا ۹ مارچ سے ۲۰ مارچ تک، سوائے ایک جمعہ کے جو درمیان میں آیا، ہر روز یونیورسٹی کے غلام محمد گھوٹوی ہال میں عصر اور مغرب کے درمیان اردو زبان میں ایک لیکچر ہوتا اور نماز مغرب سے فارغ ہونے کے بعد سوال و جواب کا سلسلہ قریباً عشاء تک جاری رہتا۔ جن موضوعات پر لیکچر دئے گئے اور جن حضرات کو صدارت کے لئے مدعو کیا گیا وہ بالترتیب حسب ذیل تھے:

۱۔ تاریخ قرآن مجید

زیرِ صدارت جناب ڈاکٹر زیڈ اے ہاشمی،
مشیر تعلیم، سائنس و ثقافت، حکومت پنجاب لاہور۔

۲۔ تاریخ حدیث شریف

زیرِ صدارت جناب جسٹس گل محمد، جج ہائی کورٹ، لاہور

۳۔ تاریخ فقہ

زیرِ صدارت جناب ڈاکٹر محمد الطاف علی قریشی
وائس چانسلر، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

۴۔ تاریخ اصول فقہ و اجتہاد

زیرصدارت جناب ڈاکٹر صغیر الحسن معصومی

ڈین کلیہ معارف اسلامیہ، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور

۵۔ قانون بین الممالک

زیرصدارت جناب ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی

صدر شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

۶۔ دین (عقائد، عبادات، تصوف)

زیرصدارت جناب قاضی عظیم الدین، خطیب بہاول پور

۷۔ مملکت اور نظم ونسق

زیرصدارت جناب سید نذیر علی شاہ، بہاول پور

۸۔ نظام دفاع اور غزوات

زیرصدارت جناب میجر جنرل محمد اقبال

جنرل آفیسر کمانڈنگ، ۳۵ ڈویژن، پاکستان آرمی، بہاول پور

۹۔ نظام تعلیم اور سرپرستی علوم

زیرصدارت جناب جسٹس عبدالغفور خاں لودھی، سابق جج ہائی کورٹ، لاہور

۱۰۔ نظام تشریع وعدلیہ

زیرصدارت جناب مولانا تقی عثمانی مہتمم دارالعلوم کراچی

۱۱۔ نظام مالیہ وتقویم

زیرصدارت جناب پیر محمد محسن شاہ، خان پور

۱۲۔ تبلیغ اسلام اور غیر مسلموں سے برتاؤ

زیرصدارت جناب اے کے بروہی، چیرمین قومی ہجرہ کمیٹی، اسلام آباد

ان خطبات کے سننے کے لئے یونیورسٹی کے اساتذہ اور طلباء وطالبات کے علاوہ شہر کے علمائے کرام اور اہل ذوق وطلب خواتین وحضرات کی ایک کثیر تعداد تشریف لاتی جن میں ملک کے دوسرے شہروں سے آنے والے مہمانان گرامی بھی شامل ہوتے۔ چنانچہ

سامعین کی کثیر تعداد کے پیش نظر ہمیں یونیورسٹی کے ہال کے باہر بھی نشستوں اور لاؤڈ اسپیکروں کا انتظام کرنا پڑا۔ مارچ کے معتدل اور خوش گوار موسم کی لطافت اور دینی جذبے سے سرشار خواتین وحضرات کے ذوق وشوق نے مجالس خطبات میں ایک علمی جشن بہاراں کا سماں پیدا کر دیا جس کی یاد ہمارے دلوں میں مدتوں باقی رہے گی۔ بہر حال ان مجالس کی رونق اس عالم باعمل کی رہین منت تھی جو ابر نیسان بن کر بارہ دن تک علم کے موتی لٹاتا رہا۔ جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں، ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی شخصیت علمی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں، لیکن چونکہ یہ خطبات استفادہ عام وخاص کی غرض سے شائع کئے جا رہے ہیں، اس لئے موصوف کے علمی شغف کا قدرے تفصیلی ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب ۱۶ محرم الحرام ۱۳۲۶ھ (۹ فروری ۱۹۰۸ء) کو حیدر آباد دکن میں پیدا ہوئے اور آپ نے تعلیم وتربیت کے مختلف مراحل بھی اسی سرزمین میں طے کئے جو اس وقت اہل علم کا مرکز اور علوم اسلامیہ کا گہوارہ تھی۔ خدا جن لوگوں سے کوئی خاص کام لینا چاہتا ہے، ان کے طور طریقے ابتداء ہی سے نرالے ہوتے ہیں۔ جامعہ عثمانیہ کی طالب علمی کے زمانے میں آپ کے علمی شغف کا یہ عالم تھا کہ نہ تو کبھی غیر حاضر ہوئے اور نہ جماعت میں دیر سے پہنچے۔ آپ نے جامعہ عثمانیہ سے ایم اے ایل ایل بی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ لیکن حصول علم کی تشنگی اور تحقیق وجستجو کا ذوق بڑھتا گیا۔ چنانچہ آپ اعلی تعلیم و تحقیق کے لئے یورپ پہنچے۔ بون یونیورسٹی (جرمنی) سے اسلام کے بین الاقوامی قانون پر تحقیقی مقالہ لکھ کر ڈی فل کی ڈگری حاصل کی اور سوربون یونیورسٹی (پیرس) سے عہد نبوی اور خلافت راشدہ میں اسلامی سفارت کاری پر مقالہ لکھ کر ڈاکٹر آف لیٹرز کی سند پائی، ڈاکٹر صاحب کچھ عرصے تک جامعہ عثمانیہ، حیدر آباد میں پروفیسر رہے۔ یورپ جانے کے بعد جرمنی اور فرانس کی یونیورسٹیوں میں بھی تدریسی خدمات انجام دیں۔ فرانس کے نیشنل سنٹر آف سائنٹفک ریسرچ سے تقریباً بیس سال تک وابستہ رہے۔ علاوہ ازیں یورپ اور ایشیاء کی کئی یونیورسٹیوں میں آپ کے توسیعی خطبات کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔

ڈاکٹر صاحب السنہ شرقیہ یعنی اردو، فارسی، عربی اور ترکی کے علاوہ انگریزی،

فرانسیسی، جرمن اطالوی، وغیرہ زبانوں پر بھی عبور رکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے آپ کا مطالعہ بہت وسیع ہے۔ چنانچہ مختلف اقوام وادیان کے تاریخی اور تقابلی مطالعے کی بدولت آپ کے مقالات اور تصانیف کا علمی وتحقیقی مرتبہ نہایت بلند ہے۔ تبلیغ اسلام کے سلسلے میں بھی آپ کو اس لسانی مہارت سے بڑی مدد ملی۔ آپ نے اہل مغرب کو اسلام کی حقیقی تعلیمات اور پیغمبر اسلام کی سیرت طیبہ سے متعارف کرانے کے لئے مختلف یورپی زبانوں میں سینکڑوں مقالات اور متعدد کتابیں لکھیں۔ فرانسیسی زبان میں آپ کے ترجمہ قرآن مجید اور اسی زبان میں دو جلدوں پر مشتمل سیرت پاک کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اسی طرح انگریزی میں آپ کی کتاب Mohammad Rasul Allah بہت مقبول ہوئی۔ آپ اپنی تقریروں اور تحریروں میں عام مبلغوں کا مناظراتی اور جارحانہ انداز کبھی اختیار نہیں کرتے بلکہ قدیم وجدید مآخذ کے تحقیقی وتقابلی مطالعے کے بعد اپنے نتائج فکر، نہایتی محتاط اور مثبت طریقے سے پیش کر دیتے ہیں۔ چنانچہ آپ کی تحریر وتقریر کا یہ سائنٹفک انداز اور استدلال و استنباط کا مجتہدانہ اسلوب، جدید دور کے سنجیدہ علمی مذاق کو بہت متاثر کرتا ہے۔

یوں تو آپ کی کثیر التعداد تصانیف کے موضوعات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ لیکن قرآن وحدیث اور سیرت طیبہ پر آپ کے تحقیقی مقالے خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ آپ نے سیرۃ النبیؐ کے اجتماعی اور سیاسی پہلوؤں پر مختلف زبانوں میں کئی کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں عہد نبویؐ کے نظام حکومت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی اور مسلمانوں کے ابتدائی سیاسی نظام پر محققانہ روشنی ڈالی گئی ہے۔

مثال کے طور پر:

1-The Battlefields o f the Prophet Muhammad
2-The Muslim Conduct of State:
The First Written Constitution.

الوثائق السياسية للعهد النبوی والخلافة الراشدة

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی، عہد نبوی میں نظام حکمرانی وغیرہا، خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

علاوہ ازیں آپ نے اپنی فاضلانہ تصنیف، قانون بین الما لک کے اصول اور نظریں، میں مسلمانوں کے قدیم علم سیر کو قانون بین المما لک (انٹرنیشنل لاء) کی حیثیت سے متعارف کرایا۔ علم حدیث کے سلسلے میں ڈاکٹر صاحب کا اہم ترین کارنامہ صحیفہ ہمام بن منبہ کی تحقیق واشاعت ہے۔ یہ قدیم ترین مجموعہ احادیث ہے جو عہد صحابہ میں مرتب ہوا تھا۔ آپ نے اس نادر و نایاب ذخیرہ حدیث کا ایک مخطوطہ برلن میں دریافت کیا اور اسے جدید اسلوب تدوین کے مطابق مرتب کر کے شائع کرایا۔

خدمت قرآن کے سلسلے میں آپ نے پچیس برس قبل قرآن کریم کی ببلیوگرافی ''القرآن فی کل لسان'' مرتب کی تھی جس میں دنیا بھر کی ایک سو بیس زبانوں میں قرآن کے تراجم کا تذکرہ اور بطور نمونہ سورہ فاتحہ کے تراجم درج ہیں۔ پچھلے دنوں آپ نے گورمکھی میں ترجمہ قرآن کی تلاش کے سلسلے میں لکھا تھا کہ اگر خرید ناممکن نہ ہو تو اس کے فوٹو یا مائیکرو فلم بھی کافی ہوں گے اور سارے مصارف پیشگی ادا کرنے کو حاضر ہوں۔ اس سے آپ کے ذوق وشوق کا پتہ چلتا ہے اور ظاہر ہے کہ تراجم قرآن کے مکمل نسخے جمع کرنے کی مہم ہنوز جاری ہے۔ درحقیقت آپ کی ذات گرامی، ان علمائے سلف کی یاد دلاتی ہے جن کی عمر کا ہر لمحہ علمی تحقیق میں گزرتا تھا۔ اب بھی جب کہ آپ کی عمر ستر برس سے تجاوز کر چکی ہے، آپ جو انا عزم وہمت سے تحقیقی سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔ ان دنوں آپ امام بخاری کے مشہور مجموعہ احادیث الجامع الصحیح کا مکمل اشاریہ مرتب کر رہے ہیں۔ یہ کام بعض وجوہ کی بنا پر نہایت پیچیدہ اور دشوار ہے۔ لیکن آپ اس کا کافی حصہ مکمل کر چکے ہیں۔

جہاں تک ڈاکٹر صاحب کے موجودہ مجموعہ خطبات کا تعلق ہے، اگرچہ علمی اعتبار سے اس کا مرتبہ آپ کی مستقل تصانیف کے برابر نہیں گردانا جاسکتا۔ تاہم عام افادیت کے لحاظ سے اس کی قدر و قیمت بہت زیادہ ہے۔ فاضل مقرر نے اپنے تحقیقی مطالعے کی بدولت ہر موضوع پر اس طرح روشنی ڈالی ہے کہ دین اسلام اور اس کے اجتماعی نظام کا ایک واضح تصور ذہن پر چھا جاتا ہے۔ اس ضمن میں تقابل ادیان کا پہلو بھی نمایاں اہمیت رکھتا ہے کیونکہ اس سے دیگر مذاہب وملل کے تاریخی پس منظر میں اسلام اور اسلامی ثقافت کی عظمت

پوری آب وتاب سے جلوہ گر ہو جاتی ہے۔

فاضل مقرر کے ہر خطبے میں ایسی بہت سی باتیں ملتی ہیں جو بیشتر لوگوں کے لئے انکشاف کی حیثیت رکھتی ہیں اور جا بجا ایسے نکات موجود ہیں جن سے غور وفکر کی نئی راہیں کھلتی ہیں۔ مثلاً پہلے خطبے میں آپ نے مستند حوالوں کے ذریعے سے یہ ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید کو صحیح صورت میں جمع کرنے کا کام آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں مکمل ہو چکا تھا۔ بعد میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے انتہائی احتیاط واہتمام سے ایک کتاب کی صورت میں مدون کیا۔ یہ جو مشہور ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ نے قرآن کو جمع کیا تھا، جس کے باعث وہ جامع القرآن کہلائے تو اس کی حقیقت صرف یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ نے تمام مسلمانوں کو ایک ہی نسخہ قرآن پر جمع اور متفق کیا۔ (۱) قرآنی تعلیمات پر اظہار خیال کرتے ہوئے آپ نے فرمایا ہے کہ قرآن مجید کی تبلیغ آیات سے نہ صرف مختلف ادیان اور فلسفوں پر روشنی پڑتی ہے بلکہ انسان کی توجہ بہت سے ایسے علوم کی طرف بھی مبذول ہو جاتی ہے جو جدید تحقیق کے موضوع بنے ہوئے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ جب غیر مسلم فلسفی اور سائنس داں قرآن مجید کا دقت نظر سے مطالعہ کرتے ہیں تو اس کی حقانیت پر ایمان لے آتے ہیں۔ اسی طرح تاریخ حدیث کے ضمن میں آپ نے محکم دلائل سے یہ واضح کیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال واقوال کے متعلق جو احادیث جمع کی گئی ہیں، وہ بھی اس قدر مستند ہیں کہ کسی اور مذہبی پیشوا کے احوال کا تو ذکر ہی کیا، کسی اور مذہبی کتاب یا صحیفہ آسمانی کو بھی استناد کا یہ مقام حاصل نہیں، آپ کی تحقیق سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں احادیث جمع کرنے کا کام شروع ہو چکا تھا۔ لہذا مستشرقین کی یہ رائے غلط اور گمراہ کن ہے کہ تدوین حدیث کا سلسلہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے تین سو سال بعد شروع ہوا۔ تاریخ اصول فقہ میں اجتہاد پر ڈاکٹر صاحب کا خطبہ بہت اہم ہے جس میں تفصیل سے یہ بتایا گیا ہے کہ اسلامی قانون کی تدوین کس طرح عمل میں آئی اور نئے مسائل کو قرآن وسنت کی روشنی میں حل کرنے کے لئے کن اصولوں سے کام لیا جاتا رہا۔ اس ضمن میں ایک سوال کا جواب دیتے

ہوئے اجتہادی مسائل میں اجماع کی صورت پیدا کرنے کے لئے آپ کی یہ تجویز قابل غور ہے کہ کسی اسلامی ملک میں فقہاء کا ایک مرکزی ادارہ قائم کیا جائے جس کی شاخیں ہر ملک میں موجود ہوں اور اس طرح مختلف مسائل پر تبادلہ خیال کے بعد ایک متفق علیہ حل پیش کیا جائے۔ قانون بین الممالک پر ڈاکٹر صاحب کے خطبے سے غیر اقوام کے مقابلے میں مسلمانوں کے قانون اور کردار کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ نے یہ واضح کیا ہے کہ اگر چہ رومن لاء سے دنیا کے بہت سے قوانین متاثر ہوئے، لیکن اسلام کے خدائی قانون پر نہ اس کا کوئی اثر ہوا نہ ہو سکتا تھا۔ کیونکہ یہ قانون، رومن لاء یا کسی بھی انسانی قانون کے مقابلے میں زیادہ جامع اور فطری ہے۔ قانون بین الممالک کی طرح اسلامی مملکت اور اس کا نظم ونسق، نظام دفاع اور غزوات النبی صلی اللہ علیہ وسلم، نظام تعلیم اور علوم کی سرپرستی، تبلیغ اسلام اور غیر مسلموں سے برتاؤ، غرض سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ تمام پہلو ڈاکٹر صاحب کے مطالعہ وتحقیق کے خاص موضوعات ہیں اور ان سب موضوعات پر آپ کے فاضلانہ خطبات ہمارے لئے معلومات افزا اور بصیرت افروز ہیں۔

مذکورہ خطبات میں روایتی فن خطابت کی لفاظی کا کہیں شائبہ تک نہیں کیونکہ جذباتی لب ولہجہ یا مبالغہ آرائی ڈاکٹر صاحب جیسے سنجیدہ عالم اور کہنہ مشق محقق کے شایان شان نہیں۔ آپ نے واقعات وحقائق کو نہایت محتاط الفاظ اور سلجھے ہوئے انداز میں بیان کیا ہے۔ سوال و جواب کے سلسلے میں بھی افہام وتفہیم کا وہی دل نشیں شگفتہ اور سلجھا ہوا اسلوب ملتا ہے۔ عموماً آپ جواب دیتے وقت طالب علمانہ انکسار سے یوں فرماتے ہیں: جہاں تک میں نے مطالعہ کیا ہے، اس کی روشنی میں یہ عرض کروں گا۔ یا اس بارے میں میری ناقص رائے یہ ہے'' کسی اختلافی مسئلے پر سوال پوچھا جاتا تو اپنی بات منوانے کے بجائے فرماتے: ''یہ میری ذاتی رائے ہے، ضروری نہیں کہ صحیح ہو، آپ اس سے اختلاف کر سکتے ہیں'' ایک جید عالم کا یہ منکسرانہ انداز بیان سامعین کے لئے شگفتہ اسلوب اور روشن مثال ہے۔ چنانچہ ہر لیکچر کے اختتام پر نفس مضمون سے متعلق سوالات و جوابات کو بھی شامل کر دیا گیا ہے۔ جن سے متعدد نکات کی وضاحت میں مدد ملتی ہے۔

ہمارا تجربہ ہے کہ ان خطبات کے سامعین سراپا گوش بن کر ڈاکٹر صاحب کی سلیس اور دل نشین تقریروں کو گھنٹوں سنتے مگر کبھی بار محسوس نہ کرتے بلکہ یوں تصور کرتے جیسے ''فتاد سامعہ در موج کوثر و تسنیم'' آپ کے خطبات سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر خلوص و صداقت سے کوئی چیز پیش کی جائے تو سادگی بیان کے باوجود حقائق کے نور سے دل و دماغ منور و مجلّا ہوتے جاتے ہیں: بقول شاعر:

صداقت ہو تو دل سینوں سے کھنچ آتے ہیں اے واعظ
حقیقت خود کو منوا لیتی ہے مانی نہیں جاتی

جگر

ہمیں امید ہے کہ خطبات کے مطالعے کے بعد قارئین کے تاثرات بھی سامعین کے تاثرات سے کچھ مختلف نہ ہوں گے۔

علمی مجالس میں عموماً خاص اہتمام سے لکھے ہوئے خطبات پیش کئے جاتے ہیں لیکن مذکورہ خطبات قطعی برجستہ و بے ساختہ تھے، حتی کہ فاضل مقرر نے کبھی کوئی کاغذ کا پرزہ تک بھی تحریری اشارے یا حوالے کے طور پر استعمال نہیں کیا۔ البتہ ہم نے ان خطبات کو دوران ارشاد ٹیپ پر ریکارڈ کر لیا اور جب ارباب ذوق وطلب نے ان کی طباعت و اشاعت پر اصرار کیا، تو یہ صدا بند خطبات ٹیپ سے بڑی جانفشانی کے ساتھ تحریر میں منتقل کئے گئے۔ بعد ازاں صدر شعبہ اردو کی نگرانی میں اردو اور اسلامیات کے اساتذہ نے مل کر خطبات کی تدوین و ترتیب کی خدمت انجام دی۔ طباعت کے مختلف مراحل کی نگرانی صدر شعبہ عربی نے کی۔ یہ سب اصحاب شکریے کے مستحق ہیں۔ خطبات کے متن میں کسی بنیادی تبدیلی کے بغیر بعض جزئی اور لفظی ترمیمیں کی گئیں جن کا مقصد صرف یہ تھا کہ جہاں کہیں الفاظ و فقر کی نشست و ترتیب تقریری اور تحریری اسلوب میں فرق کی وجہ سے اصل مقام سے ہٹ گئی ہو، وہاں صحیح ترتیب قائم کر دی جائے۔ بہر حال اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ خطبات کے متن میں کسی قسم کی معنوی تحریف راہ نہ پائے۔ نیز یہ کہ تقریر کا لہجہ اور زبان و بیان کی شستگی وار سادگی بھی برقرار رہے۔

مغرب کی دانش گاہوں اور تحقیقی اداروں میں نامور علماء وفضلاء کے توسیعی لیکچروں کی روایت بہت عام ہے کیونکہ وہاں ایسے ماہرین اور محققین کی کوئی کمی نہیں جن کے خطبات تحقیقی مطالعے اور ذاتی مشاہدے پر مبنی ہوں۔ موجودہ صدی میں برصغیر پاک وہند کی یونیورسٹیوں میں بھی توسیعی اور یادگاری خطبات کی روایت شروع تو ہوئی ہے لیکن علمی تخصص اور تحقیق کے میدان میں ہم ابھی بہت پیچھے ہیں۔ اس لئے ہمارے یہاں مقبول عام علمی خطبات کی روشن مثالیں بہت کم ملتی ہیں۔ جن خطبات کو علمی حلقوں میں اولاً شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی ان کا تعلق بھی تعلیمی اداروں سے نہیں بلکہ ایک معروف رفاہی انجمن ''ساؤتھ انڈین مسلم ایجوکیشنل سوسائٹی، مدراس'' سے تھا۔ تقریباً نصف صدی قبل اس انجمن کے زیر اہتمام علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر اور علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ سے متعلق اپنے گراں قدر خطبات پیش کئے تھے۔ خطبات کا یہ سلسلہ خطبات مدراس کے نام سے مشہور ہوا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اعلیٰ علمی و تحقیقی معیار کو برقرار رکھنے کے لئے صف اول کے علماء و محققین میسر نہ آسکے، یا ممکن ہے کوئی اور مجبوری ہو، چنانچہ یہ سلسلہ بہت جلد ختم ہوگیا۔ خطبات مدراس کی یاد تازہ کرتے ہوئے ہم نے ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کے خطبات کو ''خطبات بہاولپور'' کے نام سے موسوم کیا ہے۔ آج اسلامی علوم کے محقق اور مبلغ کی حیثیت سے ڈاکٹر صاحب کو جو بلند مقام حاصل ہے، تحقیقاتی کام کرنے والے حضرات اس سے بخوبی واقف ہیں۔ بلحاظ موضوع و مواد اور بہ اعتبار افادۂ عام، ان خطبات کو جو شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی اس کے پیش نظر بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ یہ خطبات فکر اسلامی کو موثر طور پر منظر عام پر لائے ہیں۔ ہمارے لئے فخر وانبساط کا مقام ہے کہ پندرہویں صدی ہجری کے آغاز کے مبارک موقع پر ملک کی پہلی اسلامی یونیورسٹی قوم وملت کے حضور یہ ارمغان علمی پیش کررہی ہے۔

حواشی [1] اب سے بہت پہلے ہندوستان کے ایک جید مگر قدرے کم معروف عالم مفتی عبداللطیف رحمانی

نے تاریخ القرآن لکھی تھی۔ اور اس مختصر، سادہ علمی و تحقیقی کتاب میں محکم دلائل سے یہ ثابت کر دیا تھا کہ قرآن کے جمع و تدوین کے متعلق عام خیال درست نہیں اور صحیح بات یہ ہے کہ جمع و ترتیب کا پورا کام عہد نبوی ہی میں تکمیل پذیر ہو چکا تھا۔ لیکن ہمارے مدرسوں اور جامعات اسلامک اسٹڈیز کے شعبوں میں آج بھی اسی غلط اور روایتی تصور پر اصرار کیا جاتا ہے کہ تدوین قرآن حضرت عثمان کے دور خلافت میں ہوئی۔ کسی بھی دار العلوم اور مدرسہ نے اس کتاب کو اپنے نصاب میں شامل کرنے کی جرأت نہیں کی۔ علوم القرآن کے موضوع پر یہ مساکین سیوطی کی اتقان فی علوم القرآن پڑھنا پڑھانا کافی سمجھتے ہیں۔ (مرتب)

ڈاکٹر صاحبؒ کی تحریر کا ایک نمونہ

حامداً و مصلیاً

اللہ کی عنایتیں بے پایاں ہیں، ان کا شکریہ کسی طرح ادا نہیں ہو سکتا۔ بہاولپور کی جامعہ اسلامیہ نے مجھے نوازا اور مجھ گمنام بلکہ بدنام کو ربیع الاول ۱۴۰۰ھ بارہ خطبات اہل علم و فضل کے سامنے دینے کی دعوت دی۔ یہ میرے لئے "فانفجرت منه اثنتا عشرة عينا" بنے۔ وللہ الحمد

وہاں ارباب جامعہ اساتذہ اور طلبہ نے بھی میری حد سے زیادہ عزت افزائی کی، اہل شہر نے بلدیہ نے، اور مقامی علمی اداروں نے بھی، اور خود محترم نواب صاحب بہاولپور نے بھی مجھے باریاب فرمایا، الفاظ نہیں پاتا کہ ان کا کماحقہم شکریہ ادا کر سکوں۔

یہ خطبات برجستہ تھے۔ جلد یہ نفیس طباعت کے ساتھ ۱۴۰۱ھ میں چھاپے گئے۔ اب تیسری اشاعت کے وقت مجھے پہلی بار موقع ملا ہے کہ زبانی تقریروں کو جس طرح تحریری صورت دی گئی تھی اس پر نظر ڈال سکوں، اور جہاں میری مراد کو سمجھنے میں مدون صاحب سے غلطی ہوئی تھی اسے درست کر سکوں، اپنی غلطیاں اور کوتاہیاں تو میں دور نہیں کر سکوں گا لیکن میرے الفاظ اور میرے مفہوم کے تعین میں سہو ہوا تھا تو اب اس کی اصلاح کر دی گئی ہے۔ وللہ الحمد یہ اب گویا پہلا مستند ایڈیشن ہے۔ حوالے تو یہاں نہیں دیئے جا سکے لیکن بیانات کا اب میں ذمہ دار ہوں۔

خدا ارباب متعلقہ کو جزائے خیر دے "وما اوتيتم من العلم الا قليلا" کا مصداق ہوں اور رب زدنی علما کا دعا گو۔

محمد حمید اللہ

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے انتقال سے
ایک مہتم بالشان روایت کا خاتمہ ہو گیا

—پروفیسر عبدالرحمٰن مومن، ممبئی یونیورسٹی

گزشتہ چند برسوں سے علوم اسلامیہ کے کئی درخشاں ستارے اور بحر معرفت کی شناور شخصیتیں ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئیں۔ ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی، مولانا زید ابوالحسن فاروقی، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مولانا عبدالرشید نعمانی اور قاری صدیق احمد باندوی جیسے اساطین علم و معرفت ہمارے درمیان سے اٹھ گئے۔

صد افسوس کہ بقیۃ السلف میں فاضل اجل محترم مولانا ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کی ذات گرامی نے بھی ۱۷ر دسمبر ۲۰۰۲ء کی صبح میں امریکہ کے شہر فلوریڈا میں داعی اجل کو لبیک کہا اور ملاء اعلی سے جا ملے۔ ان کی عمر ۹۴ سال تھی۔

فارسی کی مشہور مثل ہے ایں خانہ تمام آفتاب است۔ یہ مثل ڈاکٹر حمید اللہ کے اسلاف اور خاندان پر پوری طرح صادق آتی ہے۔ سترہ پشتوں سے اس ممتاز دینی خاندان کے افراد علم دین کی خدمت کرتے ہوئے آئے ہیں۔ قطب کوکن حضرت مخدوم علی مہائمی (متوفی ۸۵۳ ہجری) ڈاکٹر صاحب کے اجداد میں سے تھے۔ حضرت مہائمی علم و فضل اور تصوف و سلوک کے اعلی مرتبہ پر فائز تھے۔ مولانا علی میاں مرحوم کے والد مولانا حکیم سید عبدالحی نے انہیں ابن عربی ثانی کہا ہے۔ ان کی تفسیر تبصیر الرحمٰن و تیسیر المنان کوئی سو برس پہلے قاہرہ سے طبع ہوئی تھی۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے پردادا مولوی محمد غوث شرف الملک اور دادا قاضی محمد صبغۃ اللہ بدر الدولہ کو علوم قرآنی، فقہ، تصوف اور عربی ادبیات پر عبور حاصل تھا۔ ڈاکٹر صاحب کے والد گرامی مفتی ابو محمد خلیل صاحب اپنے دادا اور والد کی طرح علم و فضل کی

دولت سے سرفراز تھے۔ قدیم نظام تعلیم کے پروردہ ہونے کے باوجود ان میں بڑی وسیع النظری تھی۔ انہوں نے اپنے بچوں کو انگریزی تعلیم حاصل کرنے سے نہیں روکا۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی ولادت ۱۹ فروری ۱۹۰۸ء کو حیدر آباد کے محلّہ کٹل منڈی میں ہوئی۔ مدرسہ نظامیہ سے مولوی کامل کا امتحان پاس کرنے کے بعد انہوں نے جامعہ عثمانیہ میں داخلہ لیا۔ جامعہ عثمانہ سے انہوں بی اے، ایل ایل بی اور ایم اے کے امتحانات درجہ اول میں پاس کئے۔ اس کے بعد آپ نے جرمنی کی بون یونیورسٹی سے اسلامی قانون بین الممالک کے موضوع پر ڈی فل کیا۔ ڈاکٹریٹ کرنے کے بعد بون یونیورسٹی میں عربی اور اردو زبان کے استاد کی حیثیت سے آپ کا تقرر ہوا۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ فرانس آئے اور سوربون یونیورسٹی سے ڈی لٹ کی سند حاصل کی۔ ۱۹۳۵ء میں آپ حیدر آباد لوٹے اور جامعہ عثمانیہ کے شعبہ دینیات میں فقہ کے استاد مقرر ہوئے۔ سقوط حیدر آباد کے بعد آپ نے پیرس میں سکونت اختیار کی اور اسے اپنی علمی و تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ تقریباً نصف صدی تک آپ کے علم وفضل اور اخلاقی و روحانی کمالات کا دریا بہتا رہا۔ اس دوران آپ نے ترکی کی کئی جامعات میں علوم اسلامیہ کا درس دیا۔ وہاں کی کئی جامعات میں علوم اسلامیہ کے شعبے آپ کی بدولت قائم ہوئے اب وہاں آپ کے ہزاروں شاگرد ہیں۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی تحریری کاوشوں کا آغاز زمانہ طالب علمی سے ہوا۔ ساٹھ برس کے عرصہ میں انہوں نے سات زبانوں میں سو سے زائد کتابیں اور ایک ہزار سے زیادہ مضامین لکھے۔ ان کی لسانی مہارت اور استعداد ایک عجوبہ سے کم نہیں۔ ڈاکٹر صاحب ۲۲ زبانیں جانتے تھے جن میں اردو، عربی، فارسی اور ترکی کے علاوہ انگریزی، فرانسیسی، عبرانی، جرمن، اسپانوی اور دیگر یوروپی زبانیں شامل ہیں۔ انہوں نے ۸۴ برس کی عمر میں تھائی زبان سیکھی۔ یہ بات بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ اسلامی تاریخ میں کسی عالم یا مصنف نے اتنی ساری زبانوں اور اتنے متنوع موضوعات پر اپنی نگارشات نہیں چھوڑی ہیں۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا سب سے وقیع علمی کارنامہ فرانسیسی زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ ہے۔ اسے یورپ، افریقہ امریکہ میں غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ اب تک

اس ترجمہ کے ۳۰ ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ گزشتہ ایڈیشن بیس لاکھ کی تعداد میں چھپا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے فرانسیسی کے علاوہ انگریزی اور جرمن میں بھی قرآن کریم کا ترجمہ کیا ہے۔ دنیا میں صرف ڈاکٹر صاحب کو یہ امتیاز وشرف حاصل تھا کہ انہوں نے فرانسیسی، انگریزی اور جرمن تین زبانوں میں قرآن کریم کا ترجمہ کیا۔ فرنچ زبان میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ دو جلدوں میں لکھی۔ اب تک اس کتاب کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے علمی کارہائے نمایاں کا ایک نہایت اہم پہلو نادر اسلامی مخطوطات کی تحقیق وتعلیق اور اشاعت ہے۔ ان مخطوطات میں صحیفہ ہمام بن منبہ، سیرت ابن اسحاق، انساب الاشراف، کتاب الردہ، الذخائر التحف، کتاب النبات اور کتاب السرد و الغرد فی صحائف الاخبار خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے امام سرخسی کی شرح السیر الکبیر کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ کیا جو تین ہزار صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی جن کتابوں نے بین الاقوامی شہرت حاصل کی ہے ان میں الوثائق السیاسیہ سرفہرست ہے۔ اس کتاب میں عہد نبوی اور دور صحابہ کی تین سو سے زیادہ دستاویزات بڑی کاوش سے جمع کی گئی ہیں۔ اب تک اس کتاب کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دور کے حکمرانوں اور گورنروں کے نام تبلیغی خطوط ارسال فرمائے تھے۔ ان مکاتیب نبوی میں سے پانچ اپنی اصلی حالت میں آج بھی محفوظ ہیں۔ ان میں سے ایک خط کو راقم السطور نے استانبول کے توپ قبو میوزیم میں دیکھا ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے ان خطوط کا قدیم عربی خط کے نمونوں کی روشنی میں جائزہ لیا ہے اور ان کے اصلی ہونے کی توثیق وتصدیق کی ہے۔ یہ بات بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ ان خطوط کے متون میں، جو حدیث اور سیرت وتاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہیں، اور اصل خطوط میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے نومسلموں کے لئے انگریزی میں انٹروڈکشن ٹو اسلام (Introduction to Islam) لکھی۔ اس کتاب کا ترجمہ ایشیا اور یوروپ کی گیارہ زبانوں میں ہو چکا ہے۔ جن میں چینی اور جاپانی بھی شامل ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ

نے اردو زبان میں متعدد کتابیں تصنیف فرمائیں جن میں رسول اکرم کی سیاسی زندگی، عہد نبوی کے میدان جنگ، عہد نبوی کا نظام تعلیم اور خطبات بہاولپور خصوصی اہمیت رکھتی ہیں۔

مسلمانوں میں ایسی شخصیتیں نہ ہونے کے برابر ہیں جو قدیم و جدید علوم کی جامع ہوں اور جن کے علم و فضل اور دقت نظر کا اعتراف علماء، جدید تعلیم یافتہ طبقہ اور مستشرقین بھی کرتے ہوں۔ اس لحاظ سے دنیائے اسلام میں ڈاکٹر صاحب کا کوئی ثانی نہیں تھا۔

ڈاکٹر حمید اللہ کے آغاز شباب میں ان کے چچا اور پیرو مرشد قاضی محمود صاحب نے ان کو وصیت کی تھی کہ تم فرنگیوں میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا کام ضرور کرنا۔ ڈاکٹر صاحب نے اس نصیحت کو گرہ میں باندھ لیا۔ اور دین کی تبلیغ کی۔ ان کے ہاتھ پر ہزاروں فرانسیسی مردوں اور عورتوں نے اسلام قبول کیا جن میں کئی عیسائی پادری اور راہبائیں شامل ہیں۔ پچاس ساٹھ برس کے عرصہ میں ڈاکٹر صاحب نے جو علمی و دینی اور تبلیغی خدمات انجام دیں ان کی ہمہ گیری اور اثر و نفوذ عجائبات میں سے معلوم ہوتے ہیں۔ مادی وسائل اور کسی قسم کی سرپرستی کے بغیر انہوں نے تن تنہا وہ کارنامہ انجام دیا جس کی نظیر پچھلی کئی صدیوں میں نہیں ملتی۔ انہوں نے ساری عمر تجرد و تفرید میں گزاری اور خدمت اسلام کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی۔ ان کی سیرت و کردار کا سب سے اہم پہلو ان کا جذبہ اخلاص وللّٰہیت اور بے نفسی ہے انہیں فیصل ایوارڈ کی پیشکش کی گئی لیکن انہوں نے لینے سے انکار کر دیا۔ پاکستان کی ہجرت کونسل کی طرف سے ان کی خدمت میں دس لاکھ روپے کی خطیر رقم پیش کی گئی لیکن انہوں نے یہ رقم فوراً ایک اسلامی ادارہ کے حوالہ کر دی۔ جنرل ضیاء الحق نے انہیں پاکستان میں مستقل قیام کرنے کی دعوت دی لیکن انہوں نے معذرت کر دی۔ ڈاکٹر صاحب کی کتابوں کو جو مقبولیت حاصل ہوئی ہے، وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ وہ اگر اپنی کتابوں پر رائلٹی لیتے تو کروڑ پتی ہو جاتے لیکن انہوں نے ایک پیسہ لینا گوارا نہ کیا۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ علیہ الرحمۃ نے پیرس کی ایک پرانی عمارت میں تقریباً پچاس برس گزارے۔ ان کی رہائش اس عمارت کی چوتھی اور آخری منزل پر تھی جہاں تک پہنچنے کے لئے ۱۲۰ سیڑھیاں چڑھنی ہوتی تھیں۔ ان کی غذا اور رہن سہن سادگی کا مرقع تھا۔ ان کے تواضع، بے نفسی،

خوش خلقی اور منکسر المزاجی کو دیکھ کر اسلاف کی تصویر نظروں کے سامنے پھر جاتی تھی۔ بعض محدثین، علماء اور صالحین کی جلالت شان کا ذکر کرتے ہوئے تذکرہ نگار لکھتے ہیں کہ مـا رایت مثلہ (میں نے ان جیسی شخصیت اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھی) جن لوگوں کو ڈاکٹر صاحب مرحوم و مغفور کو قریب سے دیکھنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ وہ بھی یہی کہیں گے کہ ہماری آنکھوں نے ان جیسا شخص نہیں دیکھا۔

۱۹۹۶ء میں ڈاکٹر صاحب شدید علالت سے دوچار ہوئے تھے۔ ان کے بڑے بھائی کی پوتی سدیدہ انہیں پیرس سے اپنے ساتھ امریکہ لے گئیں اور ان کی تیمار داری اور خدمت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اللہ تعالی انہیں اور ان کے بھائیوں کو دین و دنیا کی سعادتوں سے بہرہ مند فرمائے۔ ڈاکٹر صاحب کی رحلت ایک زریں عہد اور ایک مہتم بالشان روایت کے خاتمہ کی علامت ہے۔ اللہ تعالی ان کے درجات بلند فرمائے اور انہیں اعلی علیین میں خاص مقام عطا فرمائے۔

برزمینے کہ نشان کف پائے تو بود
سالہا سجدہ صاحب نظراں خواہد بود

شرع محبت میں ہے، عشرت منزل حرام!
شورش طوفاں حلال! لذت ساحل حرام!
عشق پر بجلی حلال! عشق پر حاصل حرام!
علم ہے ابن الکتاب، عشق ہے ام الکتاب

ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ اللہ کی ایک آیت

—پروفیسر نثار احمد فاروقی

قرآن کریم مذہب اسلام کا اساسی دستور ہے اور اللہ نے اس کی حفاظت کا اعلان فرمایا ہے: (الحجر: ۹) دستور کی حفاظت میں اس مذہب و شریعت کا تحفظ بھی شامل ہے۔ جس کی بنیاد اس دستور پر رکھی ہے۔ چناں چہ ہر دور میں اللہ کی نشانیوں میں سے ایسی نشانیاں ظاہر ہوتی رہی ہیں کہ خواہ مسلم معاشرہ کسی سیاسی بحران سے گزر رہا ہو، عام مسلمانوں کی اخلاقی حالت میں پستی آگئی ہو، زوال و انحطاط کے اسباب نے قوت حاصل کر لی ہو، مگر اسی بظاہر دریدہ و شکستہ معاشرے میں اللہ کے نیک اور مخلص بندے کبھی گوشہ گمنامی میں بیٹھ کر، کبھی منظر عام پر آکر، کبھی رزم میں کبھی بزم میں، کبھی اپنے کردار سے کبھی گفتار سے، کبھی قلم سے کبھی تلوار سے اس دین متین کی حفاظت و حراست، تطہیر و اشاعت کا کام خالصۃ لوجہ اللہ کرتے رہے ہیں۔ گویا یہ حضرات اللہ کے سپاہی ہیں اللہ کا لشکر ہیں۔ یہ طاغوتی قوتوں کے مقابلے میں ایک آہنی دیوار اور شریعت کے لئے ایک مضبوط قلعہ بن جاتے ہیں۔ ان کی مخلصانہ کوششوں کے آثار و نتائج نہایت دوررس اور پایدار ہوتے ہیں۔

ہمارے عہد میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھی ''آیۃ من آیات اللہ'' ہیں۔ اب ان کا سن شریف (۹۰) سال ہو چکا ہے۔ (یہ تحریر کئی سال پہلے کی ہے۔ مرتب) اللہ تعالی انہیں صحت و عافیت کے ساتھ سلامت رکھے۔ وہ حیدر آباد دکن کے ایک شریف اور معزز خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، سالہا سال سے پیرس میں مقیم ہیں اور بقول اقبال:

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مرد درویش جس کو حق نے دیے ہیں انداز خسروانہ

انہوں نے اپنی زندگی قرآن کریم، سیرت طیبہ، حدیث شریف اور تاریخ اسلام کے مطالعے کے لئے وقف کر دی ہے۔ فرانسیسی زبان میں ان کا ترجمہ قرآن لاکھوں کی تعداد میں شائع اور مقبول ہو چکا ہے۔ ہزاروں سفید فام انسانوں نے ان کے ہاتھوں پر اسلام قبول کیا ہے۔ حدیث نبوی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کے موضوع پر بھی ان کا مطالعہ نہایت وسیع ہے۔ انہوں نے ''صحیفہ ہمام بن منبہ'' جیسی کتاب شائع کر کے ثابت کر دیا کہ حدیث کی جمع وتدوین کا کام صدر اسلام میں بھی ہو رہا تھا۔

سیرت طیبہ کے موضوع پر ان کے عالمانہ مقالات اور کتابوں کی روشنی میں مجھے یہ کہنے میں تامل نہیں ہے کہ اس صدی میں کسی عالم نے، کسی ملک اور کسی زبان میں اتنا اہم، مفید، جامع اور مستند کام پیش نہیں کیا۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے ان تمام مقامات اور مشاہد کا معائنہ کیا جن کا ذکر سیرت طیبہ میں آتا ہے۔ ان کے نقشے بر سر موقع تیار کرائے۔ اسی طرح انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چار سو سے زیادہ فرمان، دستاویزیں، معاہدے اور مکتوبات جمع کیے۔ انہیں الوثائق السیاسیۃ کے نام سے مرتب کر کے شائع کیا۔ رسول اکرم (ابی وامی فداہ) کے کم سے کم دو خط ایسے ہیں جو ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے وسیلے سے ہمارے سامنے آئے ہیں۔ سیرت کے موضوع پر ان کی یہ شاندار خدمت بھی ہمیشہ یاد رکھی جائے گی کہ اس موضوع پر سب سے پہلی مدون کتاب ''سیرت ابن اسحٰق'' ناپید ہو چکی تھی۔ صرف اس کی تلخیص سیرت ابن ہشام کے نام سے رائج تھی۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے مغربی افریقہ سے اس کا نسخہ بھی برآمد کر کے شائع کر دیا۔ صرف یہی خدمت ایسی ہے جو انہیں اسلامی تاریخ میں زندہ اور ان کے نام کو تابندہ رکھے گی۔ سیرت طیبہ کے موضوع پر ان کی انگریزی کتاب (Mohammad Rasulullah) اختصار کے باوجود جامعیت، حسن ترتیب اور سادہ و دلنشیں اسلوب میں اپنا جواب نہیں رکھتی۔ اسے سیرت مبارکہ کی سب سے اہم اور مستند کتابوں کا عطر کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ جب رسالہ نقوش لاہور کا رسول نمبر زیر ترتیب تھا، راقم الحروف نے یہ کتاب ایڈیٹر نقوش کو بھیجی تھی اور فرمائش کی تھی کہ اس کا اردو ترجمہ رسول نمبر میں ضرور شامل کیا جائے۔

بہاولپور یونیورسٹی پاکستان نے ڈاکٹر محمد حمید اللہ کو خصوصی محاضرات کے لیے مدعو کیا تھا۔ یہ پاکستان کے لئے مسرت اور سعادت کی بات ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے اس دعوت کو قبول فرمایا اور ان لکچروں کی بدولت ''خطبات بھاولپور'' جیسی نہایت قابل قدر کتاب وجود میں آ گئی۔ ان خطبات میں اسلام اور تاریخ اسلام کے اہم موضوعات کا احاطہ ہوگیا ہے۔ یہ خطبات کسی کتاب کی مدد اور یادداشتوں کے سہارے کے بغیر پیش کیے گئے اور ہر خطبہ کے بعد سامعین نے جو سوالات کیے ان کے جواب بھی صدا بند کر لیے گئے۔ انہیں پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا مطالعہ کتنا وسیع ہے، فکر کتنی سلیم ہے، اسلوب کتنا روشن اور دلنشیں ہے۔ یہ کتاب تاریخ اسلام اور شریعت اسلام کے ایک اسکالر، یا استاد یا طالب علم یا اوسط درجے کے تعلیم یافتہ عام مسلمانوں کے لئے یکساں طور پر مفید ہے۔ اس نوعیت کی، اتنی مفید اور ایسی دلچسپ دوسری کوئی کتاب اردو تو کیا، میں عربی، فارسی اور انگریزی زبانوں کے حوالے سے بھی پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ ان زبانوں میں بھی نہیں ہے۔

ان خطبات میں نہایت سہولت اور پورے اعتماد کے ساتھ انہوں نے ایسے نکتے بھی بیان کر دیے ہیں جو سالہا سال کی تحقیق اور مطالعے کے بعد روشن ہوتے ہیں۔

قرآن کریم کے متن کی صحت اور حفاظت کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب ہمیں معلوم ہو کہ دوسرے آسمانی صحیفوں میں روایات کے تقریباً دو لاکھ اختلافات ان صحائف کے عالموں نے تسلیم کیے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو اللہ نے ''اسوہ حسنہ'' فرمایا ہے۔ (الاحزاب: ۲۱) دوسری طرف یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ **قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی** (الکھف: ۱۱۰) ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے ان دونوں آیتوں کا ربط صرف ایک جملے میں واضح کر دیا کہ جس نوع کے لیے کوئی ماڈل ہو وہ اس سے مختلف نوع کا نہیں ہو سکتا۔ ''مثل اعلیٰ'' ہونے کے لیے مماثلت ضروری ہے۔

اسلامی شریعت کے بارے میں ڈاکٹر صاحب نے یہ اشارہ بھی بہت لطیف کیا ہے کہ کسی مسئلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سکوت بھی ''قانون'' سمجھا جائے گا اس لئے

کہ نہی عن المنکر بھی نبوت کا منصب ہے۔ مطالعہ سیرت میں انہوں نے بعض ایسے نکتوں کی طرف اشارہ کیا ہے جن سے دوسرے سیرت نگار سرسری طور پر گزر گئے ہیں۔ انہوں نے بتایا ہے حقوق انسانی (Human Rights) جن کا آج کل بہت چرچا ہو رہا ہے، اس کا واضح تصور سب سے پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا۔ مدینہ منورہ میں ایک شہری ریاست (City State) قائم کرنے کے بعد پہلی مردم شماری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کرائی تھی۔ دنیا میں جن انسانوں کو ''قانون ساز'' سمجھا جاتا ہے ان میں سب سے ممتاز شخصیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ **و ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی** (النجم: ۳) دوسری کوئی شخصیت تاریخ بشریت میں ایسی نہیں ہوئی جس کی زبان سے نکلی ہوئی ہر بات ''قانون'' کا درجہ رکھتی ہو۔

مدینہ میں پہلا تحریری دستور بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیار کرایا جس میں یہود کو ان کی مذہبی آزادی کی ضمانت دی گئی ہے، اس طرح یہ دستور ''سیکولر'' بھی کہا جا سکتا ہے۔(۱) اسلامی شریعت کا رویہ یہ ہے کہ اسلامی حکومت میں رہنے والے یا اسلامی عدالت سے رجوع کرنے والے غیر مسلموں پر ان کا اپنا قانون (Personal Law) نافذ ہوگا، اسلامی شریعت غیر مسلموں کے لیے نہیں ہے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ ہمیں فقہ اسلامی کے بارے میں بھی بعض ایسے اہم پہلوؤں سے روشناس کرتے ہیں جن کی طرف عموماً التفات نہیں ہوتا۔ وہ کہتے ہیں کہ ''اصول فقہ'' خاص مسلمانوں کا ایجاد کردہ فن ہے جو احکام شریعت کے لئے عقلی اور منطقی بنیاد فراہم کرتا ہے، اسی طرح اسلامی فقہ بھی صرف احکام کا مجموعہ نہیں بلکہ ''قانون'' ہے اور جس شخصیت یا ادارے نے قانون سازی کا کام کیا ہو اس سے کمتر درجے اور حیثیت کا کوئی شخص یا ادارہ اس قانون کو تبدیل نہیں کر سکتا۔ اسے اپنے دور کی ایک مثال سے یوں سمجھ لیجئے کہ سلمان رشدی کے بارے میں آیت اللہ خمینی کے فتوے کو ایران کے علماء بھی منسوخ نہیں کر سکتے۔ جو لوگ اسلامی شریعت کے کسی منصوص قانون میں تبدیلی کی آواز اٹھاتے ہیں وہ صرف ان کی جہالت اور ہٹ دھرمی ہے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ ہمیں بتاتے ہیں کہ سماجی انقلاب اور Social Reformation کا تصور بھی اسلام نے دیا ہے اس سے پہلے دنیا میں کہیں نہ اتنے بڑے پیمانے پر اصلاح کا کام ہوا نہ کوئی اتنا بڑا سماجی انقلاب آیا۔ اسلام نے کسی خاص نظام کا تعین نہیں کیا، صرف اولی الامر منکم (النساء:۵۹) اور و امرھم شوری بینھم (الشوری: ۳۸) نظام حکومت کے لئے رہنما اشارے ہیں۔ قانون بین المللی (International Law) بھی سب سے پہلے اسلام نے پیش کیا، اس پر ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے وضاحت سے گفتگو کی ہے، مگر اسی میں یہ بھی فرمایا ہے کہ

''یقیناً یہودی تاریخ میں بھی انٹرنیشنل لا ملتا ہے''

یہ دونوں بیان ایک دوسرے کے نقیض ہو جاتے ہیں۔ (۲)

وہ ہمیں بتاتے ہیں کہ عدلیہ اور انتظامیہ کا فرق مغرب نے اسلام سے سیکھا ہے اس کی تو بہت واضح مثالیں خلافت بلکہ ملوکیت کے زمانے میں بھی مل جاتی ہیں۔ یہ ایسا موضوع ہے جس پر نہایت تفصیل سے لکھنے کی ضرورت ہے۔

ابتداء میں مغربی علماء نے یہ شوشہ بھی چھوڑا تھا کہ اسلامی قوانین رومی قانون سے ماخوذ ہیں، اگر چہ اب مستشرقین اس پر زیادہ زور نہیں دیتے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ فرماتے ہیں کہ رومی قانون لاطینی زبان میں تھا اور اسلامی فقہاء میں اس زبان سے کوئی واقف نہ تھا اس لیے استفادہ ممکن ہی نہ تھا۔

وہ اسلام میں غلامی کی حقیقت پر گفتگو کرتے ہوئے یہ بھی اشارہ کر دیتے ہیں کہ دوسرے آسمانی صحیفوں (توراۃ وغیرہ) میں غلام بنانے کا تو ذکر ہے، ''فک رقبۃ'' یعنی غلام کو آزاد کرنے کا کوئی حوالہ نہیں۔

ایک خطبے میں انہوں نے یہ بھی اشارہ کیا ہے کہ اسلام میں خواتین کے لئے نماز کی امامت کرنے کا جواز موجود ہے۔ اسلام میں نجات کا تصور دوسرے سب مذاہب کے تصور سے مختلف اور زیادہ قرین عقل ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو تہذیبی جارحیت نہیں سکھاتا۔ وغیرہ

ایک موقع پر انہوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا جس کے پاس ایک درہم ہو، وہ کاغذ خرید لائے۔ بعض نے ایسا ہی کیا وغیرہ۔ اب تک ہماری معلومات کے مطابق کاغذ عباسی خلافت کے اولین دور میں چین سے آیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے حضرت علی کے عہد میں کاغذ دستیاب ہونے کا کوئی تسلی بخش حوالہ نہیں دیا۔ (۳)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ ایک بے مثل عالم تو ہیں ہی، عام لوگوں کو یہ معلوم نہیں ہوگا کہ وہ قرون اولیٰ کے عباد اللہ الصالحین کی طرح نہایت سادہ زندگی گزارتے ہیں، پیرس جیسی عشرت گاہ میں، ایک چھوٹے سے کمرے میں، جس میں آرائش اور آسائش کا کوئی سامان نہیں، قناعت اور توکل کے ساتھ رہتے ہیں۔ نام ونمود، شہرت وعزت، مال ودولت، جاہ و اقبال سب سے بے نیاز رہ کر صرف اور صرف خدمت دین میں اپنا ایک ایک سانس صرف کرتے ہیں۔

اس کتاب (خطبات بہاولپور) کے بارے میں دو باتیں خاص طور پر زور دے کر کہوں گا:

ایک یہ کہ اللہ توفیق دے تو آپ اس کتاب کو ضرور پڑھیں، بار بار پڑھیں، اپنے بچوں کو پڑھائیں یا پڑھ کر سنائیں، احباب میں تقسیم کریں یا مدرسوں اور اسکولوں کی لائبریریوں کو بطور عطیہ پیش کریں۔

دوسرے یہ کہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کی صحت، عافیت، سلامتی اور طویل زندگی کے لئے ضرور دعا کریں۔ انہوں نے دین اسلام کی جو خدمت کی ہے اللہ تعالیٰ اس کا اجر جزیل انہیں دنیا اور آخرت میں عطا فرمائے۔

ضروری نوٹس:

۱۔ ڈاکٹر صاحب نے سیکولر کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ انہوں نے صرف یہ بیان کیا ہے، اہل مدینہ نے جو کافروں، مسلمانوں اور یہودیوں پر مشتمل تھے اپنے باہمی افتراق کے باعث رسول اکرمؐ (جو اجنبی اور متفق علیہ تھے) کو اپنا مشترکہ سردار بنالیا اور میثاق مدینہ میں مملکت مدینہ کے تمام شہریوں کے حقوق کا پورا خیال رکھا گیا وغیرہ دیکھیں (صفحہ ۲۴۷) سیکولر ریگولر

(مشروع و منظم) کے خلاف ہے اور اس کی اصل روح مذہب کے انکار پر مبنی ہے، اس لئے سیکولر کی اصطلاح ابہام پیدا کرتی ہے۔

۲۔ ڈاکٹر صاحب نے مسئلہ کی جس طرح وضاحت کی ہے، اس سے یہ دونوں بیانات ایک دوسرے کے نقیض نہیں رہتے، یہودیوں کے ہاں انٹرنیشنل لا اسی معنی میں پایا ہے کہ غیر قوموں سے متعلق حالت امن اور حالت جنگ میں کیا رویہ ہو اس کا حکم توریت میں ہے۔ اسلام سے انٹرنیشنل لا کا آغاز اس معنی میں ہوا کہ تعلقات بین المما لک سے متعلق اصول و مبادی کی تفصیل اسی کے ہاں پائی جاتی ہے۔

۳۔ عجیب بات ہے کہ فاروقی صاحب اور دوسرے لوگوں کی معلومات میں کاغذ چین سے آیا اور وہ بھی حضرت علیؓ کے دور میں جبکہ قرآن کے مطابق خود دور نبوی میں بھی کاغذ عربوں کے لئے معروف شیئی تھی چنانچہ سورۃ انعام میں ارشاد ہے **و لو نزلنا علیک کتابا فی قرطاس فلمسوہ بایدیھم لقال الذین کفروا ان ھذا الا سحر مبین** اگر کاغذ معروف نہ ہوتا تو قرآن میں اس کا استعمال کیسے ہو سکتا تھا۔ دراصل ہماری کمزوری یہ ہے کہ قرآن کے ذریعہ تاریخ وغیرہ کے بجائے خود قرآن کو ان چیزوں کے ذریعہ دیکھنے کے عادی ہیں اسی لئے کوئی تحقیق جو ہمارے فہم واذعان کے خلاف پڑتی ہوا جنبی لگتی ہے، بہر حال ڈاکٹر صاحب کی تحقیق پر فاروقی صاحب کا اعتراض بے جا ہے۔ خود سفر ہجرت میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کاغذ قلم ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ (ملاحظہ ہو ۴۹۰، خطبات بہاولپور، طبع ۱۹۹۲ء، اسلامی یونیورسٹی پاکستان)

ڈاکٹر حمید اللہ

سورج ڈوب گیا اور کسی کو خبر نہ ہوئی

—ہارون الرشید (پاکستان)

کوئی مارگلہ کی چوٹی پر کھڑا ہو کر چیخے اور سوال کرے کہ اس ملک کے لوگ زندہ ہیں یا مر گئے۔ کبھی ایسی چوٹ لگتی ہے کہ لفظ کم پڑ جاتے ہیں۔ ڈاکٹر حمید اللہ چلے گئے۔ عالم اسلام کا سب سے بڑا اسکالر اٹھ گیا۔ کیسی بے بسی، کتنی گمنامی اور کس قدر انکسار کی موت۔

بخدا عہد قدیم کے عرب زیادہ جانتے تھے جو یہ کہتے تھے کہ عالم کی موت ایک عالَم کی موت ہوتی ہے کہ زندگی اہل علم سے ثروت مند ہوتی اور برگ و بار لاتی ہے۔ اکثر اخبارات نے آخری صفحے پر خبر شائع کی۔ کسی کو علم ہی نہیں کہ کون چلا گیا۔ ستر برس کی ریاضت اور تین سو پچاس کتابیں۔ عربی، اردو، انگریزی، ترکی، روسی، جرمن، فرانسیسی، اسپینی، عبرانی اور سنسکرت کا عالم۔ ڈاکٹر غزالی کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا ڈاکٹر صاحب آپ نے تو بہت سی زبانیں سیکھ لیں۔ فرمایا کچھ بھی نہیں۔ جرمنی میں ایک شخص ہے جو پچیس زبانیں جانتا ہے۔

جنرل محمد ضیاء الحق کی دعوت پر پاکستان تشریف لائے اور ان سے ملاقات کرنے گئے۔ فوٹو گرافر نمودار ہوا تو کتاب چہرے کے سامنے پھیلا دی۔ جنرل نے کہا کیا آپ تصویر کو جائز نہیں سمجھتے۔ فرمایا مجھے تامل ہے مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ ایسا انکسار تھا۔ ایسی شائستگی اور ایسا غنیٰ۔ جنرل محمد ضیاء الحق نے بہت منت سماجت کی۔ کہا آپ کی پسند کا ادارہ بنا دیا جائے گا، وسائل فراہم کر دیے جائیں گے۔ بعد ازاں غلام اسحاق خان، نواز شریف اور صدر فاروق لغاری نے بھی کوشش کی لیکن کمال عاجزی کے ساتھ معذرت کر لی۔ طالب علم

کے طور پر پیرس گئے تو پیرس کے محلہ ریوتورنوں کے مکان نمبر ۴۰۱ کی تیسری منزل پر ٹھکانہ بنا لیا۔ ساری عمر وہیں بتا دی۔ وہ مکان جس میں لفٹ تک نہیں تھی اور جہاں عمر بھر اپنے ہاتھ سے کھانا پکایا۔ اندازہ یہ ہے کہ تیس ہزار سے زیادہ فرانسیسی ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ بعض تخمینوں کے مطابق پچاس ہزار۔ ٹھیک تعداد کسی کو معلوم نہیں کہ مرحوم کا مسلک عجز وانکساری اور اخفا تھا۔ ان میں موریس بوکائی جیسے دانشور بھی شامل تھے جس نے قبول اسلام کے بعد بائبل قرآن اور سائنس کے عنوان سے وہ شہرہ آفاق کتاب لکھی جس میں آشکارا کیا کہ قرآن کا کوئی بھی نظریہ سائنس سے متصادم نہیں جبکہ تورات وانجیل (بائبل) کا معاملہ برعکس ہے۔

حیدرآباد دکن کی عثمانیہ یونیورسٹی کے علاوہ فرانس اور جرمنی کی جامعات سے پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں اور بتدریج علم میں ایسے ممتاز ہوئے کہ ساری دنیا میں ڈنکا بجنے لگا لیکن عجز ایسا اور فقر اتنا بے پناہ تھا کہ دیکھنے والے دیکھتے تو دنگ رہ جاتے اور سننے والے سنتے تو یقین ہی نہ آتا۔ بیس برس پہلے ایک دوست فرانس سے لوٹے تو ملاقات کی روداد بیان کی۔ کہا ڈاکٹر صاحب نے پوچھا پیرس میں کوئی زحمت تو نہیں ہوئی۔ انہوں نے جواب دیا بس اتنی کہ ہفتے بھر سے گوشت نہیں کھایا۔ فرمایا جی ہاں تیس برس سے میں نے بھی نہیں کھایا۔

جواں ہمت اساتذہ وتحقیق کے میدان میں قدم رکھتے ہیں تو ولولے بے پناہ ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی بتاتے ہیں کہ برسوں پہلے انہوں نے تحقیق کے بعض عنوانات طے کئے تو جوش وجذبے کے ساتھ ڈاکٹر صاحب کو مطلع کیا۔ جواب میں ایک مختصر سا خط موصول ہوا۔ "پابہ رکاب ہوں ترکی جارہا ہوں۔ آپ کا خط مجھے بھایا نہیں اہمیت عنوانات کو نہیں مندرجات کو ہوتی ہے"۔

ایک عزیز دوست کے مطابق ۱۹۸۲ء میں لاہور تشریف لائے اور ایک پبلشر سے رائلٹی وصول کر چکے تو وہاں سے سیدھے جی پی او تشریف لے گئے۔ منی آرڈر فارم طلب کئے جیب سے ایک طویل فہرست نکالی اور خود اپنے قلم سے سارے فارم پر کر کے

تقریباً پوری رقم ڈاک خانے والوں کے حوالے کر دی۔ یہ دور دراز کے شہروں میں بسنے والے محتاج اور مفلس تھے۔ بیوہ عورتیں، یتیم بچے خود اس فہرست کے لئے کتنی کھکیڑ اٹھائی ہوگی۔ عربی، اردو، انگریزی، فرانسیسی، جرمن، روسی، ترکی، اسپینش، اطالوی کتنی زبانوں میں ان کی کتابیں چھپتی تھیں۔ اور کہاں کہاں سے روپیہ چلا آتا تھا لیکن یہ سب کا سب بانٹ دیا جاتا۔ خود اپنی گزر بسر کے لئے موربون یونیورسٹی کی پنشن کا ایک حصہ بچا رکھتے۔ چند ہفتے قبل پنشن کی رقم نکلوانے بنک گئے تو معلوم ہوا کہ گھر سے جو چیک بک چوری ہوئی تھی کسی نوسر باز نے اس کے ذریعے ساری رقم نکلوالی۔ کچھ کہے بغیر لوٹ آئے کسی کو اطلاع دی نہ شکایت کی۔ رنج گلہ نہ احتجاج یہ بھی اس زندگی کا دستور نہ تھا۔ ان کا دستور غنی تھا۔ سحر سے شام، شام سے سحر ہوگئی جب تک دم میں دم تھا اپنے معمولات جاری رکھے۔ قرض لینا اور مدد مانگنا ان کے مسلک میں روا ہی نہ تھا۔ کئی دن اسی عالم میں بیت گئے حتی کہ بھوک سے بے دم ہو کر گر پڑے۔ ہسپتال لے جائے گئے۔ معالجوں نے اس نادر روزگار کو پہچانا تو وارثوں کی ڈھنڈیا پڑی۔ ایک بھتیجی امریکہ میں مقیم تھیں۔ طبیعت قدرے سنبھلی تو ان کے پاس پہنچا دئے گئے۔ ڈاکٹروں کا کہنا یہ ہے کہ کوئی خاص بیماری نہ تھی بھوک نے نڈھال کر ڈالا حتی کہ نقاہت بجائے خود مرض ہوگئی اور مشرق کا آفتاب ایک دن چپ چاپ مغرب کے ایک دور دراز شہر میں غروب ہوگیا۔

اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو یہ ۱۹۹۶ء کی بات ہو سکتی ہے، چند ہفتے قبل کی نہیں ویسے ڈاکٹر صاحب کو زہیمر کی بیماری تھی (مرتب)

بارہ صدیاں ہوئی ہیں۔ بغداد میں سفید بھوؤں والے ایک بوڑھے نے کہا تھا ''عافیت گمنامی میں ہوتی ہے گمنامی نہ ہو تو تنہائی میں، تنہائی نہ ہو تو خاموشی میں اور خاموشی نہ ہو تو صحبت سعید میں۔'' اللہ اللہ ایسا علم، اتنی ناموری اور اس قدر پذیرائی کے باوجود زندگی اتنی خاموشی، اتنی تنہائی اور اس قدر گمنامی میں گزاری جا سکتی ہے!!! اگر یہ کرامت نہیں تو کرامت اور کس کو کہتے ہیں۔ گویا عہد اول کا کوئی مسلمان تھا جو بھٹک کر اس زمانے میں آ گیا تھا۔ تاریخ کے چوراہے پر سوئی ہوئی ایک بدقسمت اور زوال آمادہ قوم کا ایک جلیل القدر فرزند کتنا بے شمار اور کس قدر بلند سطح کا علمی کام کر گیا۔ علامہ طباطبائی نے لکھا ہے: تین سطح کے عالم دین ہوتے ہیں وہ جو سارے متعلقہ دلائل اور مواد سامنے لا رکھیں اور وہ جو ان کی روشنی میں

قطعیت کے ساتھ رائے دیں اور ان سب سے بلند وہ جو کسی بھی عصری موضوع اور مسئلے پر پوری تاریخ کے تناظر میں بات کریں۔ بے شک ڈاکٹر حمید اللہ اس تیسری اور بلند سطح کے اسکالر تھے۔ ان کا نام مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا علی میاں، ابوالکلام آزاد اور سید ابوالاعلیٰ مودودی کے ساتھ لکھا جائے گا لیکن اگر گستاخی نہ ہو تو سیاسی آلودگیوں سے دامن بچانے کے علاوہ فقر، سادگی اور غنیٰ میں وہ اپنے بعض جلیل القدر ہم عصروں سے بھی بازی لے گئے۔ میں حیران ہوں کہ جس عالم اور درویش کے ہاتھ پر تیس ہزار مغربیوں نے اسلام قبول کیا، اس کے مراتب کا تعین کیسے ہوگا۔ وہ بھی اسی مغرب میں بیٹھ کر جو مسلمان کو گنوار پسماندہ اور وحشی سمجھتا ہے۔

اس مختصر سی عبارت میں ان کے علمی کارناموں پر گفتگو ممکن نہیں۔ فی الجملہ یہ کہ قرون اولی کی بہت سی دستاویزات ان کے قلم سے اجاگر ہوئیں۔ مثلاً حدیث رسول کے سب سے بڑے راوی حضرت ابو ہریرہؓ کے شاگرد ہمام ابن منبہ کے ہاتھ سے لکھی ہوئی احادیث کا مجموعہ، حکمرانوں اور سرداروں کے نام رسول اکرمؐ کے خطوط اور دوسری دستاویزات کا گلدستہ مجموعۃ الوثائق السیاسیہ۔

۹۴ برس کی عمر میں عالم اسلام کا عظیم فرزند اس حال میں دنیا سے اٹھا کہ عالم اسلام کے کسی ایک حکمران نے کسی دینی اور سیاسی جماعت نے بھی اس پہ امت کو پرسہ نہ دیا حتی کہ اس پاکستان نے بھی نہیں جس سے ان کا بڑا گہرا رشتہ تھا اور پھر ہم سوال کرتے ہیں کہ ہم خستہ، درماندہ، پامال اور رو بہ زوال کیوں ہیں؟'' کوئی مارگلہ کی چوٹی پر کھڑا ہو کر چیخ اور سوال کرے کہ اس ملک کے لوگ زندہ ہیں یا مر گئے؟

عشق کے ہیں معجزات سلطنت فقر و دیں
عشق کے ادنیٰ غلام صاحب تاج و نگیں
عشق مکاف و مکیں عشق زمان و زمیں
عشق سراپا یقین اور یقین فتح یاب

ڈاکٹر محمد حمید اللہ

اسلام کے ایک مایۂ ناز اسکالر اور فقر کے بے مثل پیکر

—الطاف حسین قریشی،

مدیر اردو ڈائجسٹ، لاہور

حیدر آباد دکن کی سرزمین سے کیسے کیسے نادر روزگار پیدا ہوئے جو اپنی ذاتی صفات اور علمی کمالات کا نہایت گہرا نقش جریدۂ عالم پر ثبت کرتے رہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ ان میں سب سے نمایاں تھے۔ وہ عالم اسلام کے سب سے منفرد اور سب سے زیادہ منکسر المزاج محقق تھے...... عاشق رسولؐ حدیث کے رمز شناس اور قرون اولیٰ کی غایت درجہ کی شان استغنا کے حامل! تحقیق و جستجو کے میدان میں ایسے ایسے عظیم کام کیے کہ مغرب کے بڑے بڑے اسکالر ان سے اکتساب فیض کرتے رہے۔ اس مقام تک پہنچنے کے لیے انھوں نے تحصیل علم کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا۔ جامعہ عثمانیہ کے علاوہ فرانس اور جرمنی کی دو یونیورسٹیوں سے پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں اور عربی، انگریزی، فرانسیسی، جرمن، روسی، ترکی، اطالوی، ہسپانوی، عبرانی اور سنسکرت زبانوں کے عالم بن گئے۔ ستر برس تک تحقیق و تصنیف میں بسر کئے اور تین سو پچاس کتابیں دنیا کی مختلف زبانوں میں لکھیں۔ ایک سے ایک نئی تحقیق، ایک سے ایک فکر تازہ کی تشکیل، انھوں نے وہ کام سرانجام دیے جو پہلے تشنہ تحقیق چلے آرہے تھے اور اس خطے کو اپنی علمی کاوشوں کا مرکز بنایا جو اسلام کی علمی اور فکری عظمت سے ناواقف تھا۔ وہ علم کی تلاش میں پیرس آئے اور وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ ان کی سیرت و کردار کی قوت اور ان کی تحریروں کی سلاست اور امتیازی شان سے متاثر ہو کر تیس ہزار سے زائد فرانسیسی ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ ان میں دانشور موریس بوکائی بھی

شامل ہیں، جنھوں نے ''بائبل، قرآن اور سائنس'' کے عنوان سے ایک معرکتہ الآرا کتاب شائع کی جس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ قرآن حکیم کے مندرجات سائنس کی تحقیقات سے کمال درجہ مطابقت رکھتے اور انسان اور کائنات کی تخلیق کے بارے میں سائنس دانوں کو مزید فکر اور جستجو کی دعوت دیتے ہیں ایک دھان پان سے شخص نے مغربی معاشرے میں ایک خاموش علمی انقلاب برپا کر دیا۔ آج فرانس میں مسلمانوں کی تعداد پچاس لاکھ تک پہنچی ہے اور حال ہی میں فرانسیسی حکومت نے مسلم کونسل کو وہی مرتبہ دیا ہے جو پہلے صرف یہودیوں کی کونسل کو حاصل تھا۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی تحقیق و جستجو کا اصل میدان ہمارے دینی ورثے کا روایتی پہلو تھا۔ انھوں نے ان بنیادی دستاویزات کی تلاش و تحقیق میں امام بخاری علیہ الرحمہ کی سی استقامت سے کام کیا، جن سے ہماری علمی اور فکری تاریخ مرتب ہوئی ہے۔ ان کا روایت اور سند کے حوالے سے بڑی عرق ریزی کے ساتھ جائزہ لیا اور ان کی بنیاد پر جدید اسلامی تصورات کی عمارت قائم کی ہے۔ قرآن، حدیث اور سیرت طیبہؐ پر اس نوع کا تحقیقی کام سرانجام دیا جو تشکیل جدید کے لیے ایک وسیع میدان فراہم کرتا ہے۔ مثال کے طور پر پہلی بار انھوں نے اس موضوع پر تحقیق کی کہ قرآن مجید کے کن کن زبانوں میں کتنے ترجمے ہو چکے ہیں۔ اس ضمن میں ایک سو بیس زبانوں میں قرآنی تراجم کی ایک ببلو گرافی مرتب کی جس سے یہ پتا چلا کہ قرآن مجید کے اردو میں تین سو، انگریزی میں ایک سو پچاس اور فرانسیسی میں ستر تراجم ہو چکے ہیں۔ تازہ ترین ترجمہ ڈاکٹر صاحب کا ہے جس کے کم و بیش ۱۲۰ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور ہر ایڈیشن ۲۰ ہزار نسخوں پر مشتمل ہے۔ ان حقائق نے دنیا کی بہت سے زبانوں کے اہل علم و فضل میں قرآن کا ترجمہ کرنے کا ذوق و شوق پیدا کیا اور اب اللہ کی آخری کتاب کا فہم عالمی سطح پر روز بروز بڑھتا جا رہا ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر صاحب نے تدوین حدیث کی تاریخ میں اپنی تحقیق سے گراں قدر اضافہ کیا اور یہ حقیقت ثابت کی ہے کہ تدوین حدیث کا آغاز صحاح ستہ سے بہت پہلے ہو چکا تھا جس کی شہادت حضرت ابوہریرہؓ کے شاگرد ھمامؒ بن منبہ کا صحیفہ ہے جس کا تعارف علمی دنیا میں بڑے پیمانے پر ان کے توسط

سے ہوا ہے۔ اس نایاب صحیفے کے دنیا میں دو ہی نسخے دریافت ہوئے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے ان کی مدد سے ایک مستند مجموعہ ترتیب دے کر بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا اور تدوین احادیث کو ایک ناقابل تردید تاریخی سند فراہم کی۔ ایک ایسا ہی عظیم الشان کارنامہ ڈاکٹر صاحب نے عہد نبوت کی دستاویزات کو 'الوثائق السیاسیۃ' کے نام سے جمع کر کے سر انجام دیا۔ اس نوع کی علمی تحقیقات پتھروں میں سے قدیم علمی جواہر تلاش کرنے کے مترادف تھیں اور انہی کے باعث وہ اپنے ہم عصر علماء میں سب سے منفرد اور ممتاز نظر آتے ہیں۔ سیرت نبویؐ پر ڈاکٹر صاحب محمد حمید اللہ نے عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق نہایت قابل قدر تحقیقی کام کیا ہے۔ ان کے 'خطبات بہاولپور' میں ان بیشتر سوالوں کا جواب ملتا ہے جو اہل مغرب کے ذہنوں میں اٹھتے رہتے ہیں۔ اسی طرح ترکی حکومت کی فرمائش پر لکھی ہوئی کتاب 'محمد رسول اللہ' سیرت کے وہ پہلو اجاگر کرتی ہے جو بنی نوع انسان کے عصری مسائل حل کرنے میں بیش قیمت رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ عہد نبوت کی نایاب دستاویزات کی ترتیب و تالیف کے علاوہ ڈاکٹر صاحب نے 'میثاق مدینہ' اور 'حجۃ الوداع' کے مقام و مرتبے کا تعین عالمی تناظر میں کیا ہے۔ انہوں نے ''میثاق مدینہ'' کے تجزیاتی مطالعے کے بعد دنیا بھر کے دستور سازوں کی توجہ اس طرف مبذول کرائی کہ یہ دنیا کا پہلا تحریری دستور ہے۔ اس تحقیق سے قبل امریکی دستور جو اٹھارہویں صدی میں مدون کیا گیا تھا' دنیا کے پہلے تحریری دستور کی حیثیت رکھتا تھا۔ اسی طرح 'حجۃ الوداع' پر ان کی یہ تحقیق کہ وہ انسانی حقوق کا سب سے پہلا ''بین الاقوامی چارٹر ہے، اسلام کے عالم گیر تصور کو ایک انتہائی بلند سطح سے روشناس کراتی ہے۔ پیرس مغربی تہذیب کا سب سے بڑا گھوارہ ہے' ڈاکٹر صاحب اس خوبصورت شہر کے محلے ریوتورنوں کے مکان نمبر ۴ ۱۰ کی تیسری منزل میں نصف صدی سے زیادہ سکونت پذیر رہے۔ اس فلیٹ تک پہنچنے کے لیے لفٹ بھی نہیں تھی۔ ان کی بود و باش کا یہ سادہ سا اسلوب ان کی درویشی اور بے نیازی کی داستان بیان کرتا ہے۔ وہ اس میں تنہا رہتے تھے، بس دو کمرے تھے۔ ایک میں چاروں طرف کتابوں کے درمیان تحقیق و تصنیف کا لامتناہی سلسلہ اور دوسرا ملاقاتیوں کے لیے مخصوص........ بس ایک چھوٹا سا

باورچی خانہ جس میں ڈاکٹر صاحب خود ہی کھانا اور چائے تیار کرتے۔ علمی جواہر پاروں کی کھوج لگانے کے ذوق وشوق میں امام بخاریؒ کی طرح وہ بھی شادی نہ کر سکے۔ وہ سلیقہ شعار ہونے کے باوجود کپڑوں کی آرائش وزیبائش سے بے نیاز رہے۔ گمنامی اور تنہائی میں انھوں نے دینی علوم پر زیادہ اور اس قدر گراں مایہ کام کیا جو ان گنت جامعات مل کر بھی سرانجام نہ دے سکیں۔ اسلامی خدمات کے حوالے سے ان کا شمار علماء کے اس گروہ میں ہوتا ہے جس نے برصغیر میں احیائے دین کی عظیم کاوشیں جاری رکھیں۔ ان میں مولانا اشرف علی تھانویؒ، سید سلیمان ندویؒ، سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، امین احسن اصلاحیؒ اور سید ابوالحسن علی ندویؒ شامل ہیں۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ اپنے ہم عصروں میں اس بنا پر ایک امتیازی شان کے مالک ہیں کہ باقی علماء نے اپنے اپنے معاشروں میں اسلام کو ایک فکری اور معاشرتی قوت عطا کی ہے جبکہ انھوں نے مسلمانوں کو قیمتی روایت اور سند کا ایک بیش بہا خزینہ فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ' مغرب میں اسلام کے ہمہ گیر تصورات اور تعلیمات کو اُسی کے محاورے اور تہذیبی اسلوب میں بڑے پیمانے پر متعارف کرایا اور اپنے آپ کو سیاسی اور مالی آلائشوں سے پاک صاف رکھا۔ کچھ عرصہ پہلے وہ امریکہ منتقل ہو گئے تھے' وہیں ۹۲ (صحیح ۹۴) سال کی عمر میں مشرق کا یہ سورج نہایت خاموشی سے مغرب میں غروب ہو گیا۔ علم وتحقیق میں بھی ان کے پائے کے اہل علم دور دور تک دکھائی نہیں دیتے' مگر فقر واستغنا میں شاید ان کا کوئی بھی ثانی اور ہم پلہ نہ ہو۔ دنیا کی مختلف زبانوں میں شائع شدہ کتابوں سے انہیں رائلٹی ملتی تو ساری رقم دنیا کے مختلف حصوں میں پھیلے ہوئے غریبوں' مفلسوں اور ناداروں کو بھیج دیتے۔ اسّی کی دہائی میں انہیں پاکستان کی طرف سے دس لاکھ کا قومی ایوارڈ ملا۔ یہ رقم انھوں نے ادارہ تحقیقات اسلامی کی لائبریری کو دے دی۔ خود اپنی گزر بسر کے لئے سوربون یونیورسٹی کی پنشن کا ایک حصہ بچا رکھتے۔ انھوں نے ایک علمی درویش جیسی زندگی گزاری اور کسی بھی حکومت کی طرف سے کسی بھی نوعیت کی پیشکش قبول نہیں کی۔ اپریل ۹۲ء میں ہم نے انہیں پاکستان انسٹی ٹیوٹ آف نیشنل افیئرز (پائنا) میں خطاب کی دعوت دی تھی انھوں نے مسلم امہ کو درپیش مسائل پر فکر انگیز خیالات کا اظہار فرمایا۔

عظیم انسان اور اسلام کے صف اول کے مجاہد اٹھتے جا رہے ہیں۔ جناب نعیم صدیقی صاحب کی رحلت کا زخم بھی تازہ ہے کہ وہ بھی عمر بھر اپنے قلم اور اپنی زبان سے اسلام کے شجر طیبہ کی آبیاری کرتے رہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے قلب سلیم، شوق ناتمام اور شعروادب کی بے پایاں صلاحیتیں عطا کی تھیں۔ وہ بڑے نامساعد حالات میں اپنے مورچے پر ڈٹے رہے اور تمام تر توانائیوں کے ساتھ خدا کے سرزمین پر خدا کی حکومت قائم کرنے کے لیے سیاسی، دستوری اور علمی جدوجہد میں مصروف رہے۔ ابھی ان کی جدائی کی ٹیس بڑی شدت سے محسوس ہو رہی تھی کہ اسلامی اقدار کی حامل صحافت کے میر کارواں جناب محمود احمد مدنی اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ جب وہ چالیس برس پہلے روزنامہ 'جنگ' سے وابستہ ہوئے تھے تو وہاں فکر اسلامی کا حوالہ ایک شجر ممنوعہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ انہوں نے اپنے رب کے ساتھ گہرے تعلق اور اپنی خداداد صلاحیتوں کے بل بوتے پر صحافت میں اسلامی ذہن کی پرورش کچھ اس طرح کی کہ وہ ایک طرح ناقابل شکست طاقت بن گیا۔ ان کے دنیائے فانی سے رخصت ہو جانے کے بعد اب ڈاکٹر محمد حمید اللہ مسلم امہ کو فکری درماندگی سے دوچار کر گئے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام شہیدان علم کے مرقد پر شبنم افشانی کرے! آمین۔

میں لوح مہ وسال پہ وہ نقش وفا ہوں
مٹنے سے ابھرتا ہے میرا نقش وفا اور

☆☆☆

اسلام کا بین الاقوامی سفیر

شہرہ آفاق محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے ساتھ ایک روح پرور شام کی روداد

—ادریس صدیقی

اگر میں آپ سے یہ کہوں کہ پیرس کے ایک فلیٹ میں مقیم ایک شخص، ہوا وہوس کے اس دور میں بھی پچاس برس سے اسلاف صالحین کی زندگی بسر کر رہا ہے اور وہ آدمی صرف محشر خیال نہیں محشر عمل بھی ہے تو آپ یقیناً حیران ہو کر اس کا نام پوچھیں گے۔۔۔ لیکن ڈاکٹر محمد حمید اللہ سے واقفیت کے بعد آپ کی حیرت، فخر ومسرت میں بدل جائے گی اور شاید آپ کے دل سے یہ آواز اٹھے

۔۔۔ایسی چنگاری بھی یارب اپنے خاکستر میں ہے

حق تو یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام بخاریؒ کے وقت سے علوم دین کی تحقیق وتبلیغ کی جو شاندار روایت عہد بہ عہد سفر کرتی برصغیر میں علامہ شبلیؒ اور سید سلیمان ندویؒ تک پہنچی ہے اس کا ایک امانت دار آج بھی عالم اسلام میں زندہ وتابندہ ہے اور اس روشن ستارے سے مشرق ومغرب کے بے شمار اہل دانش فیض حاصل کر رہے ہیں۔ یہ بات بلا مبالغہ کہی جاسکتی ہے کہ آج تمام اسلامی ملکوں میں ان کے معیار اور مرتبے کا دوسرا تحقیق کرنے والا دانشور موجود نہیں۔ قرآن، حدیث اور سیرت طیبہ اُن کے پسندیدہ موضوعات ہیں اور ان شعبوں میں ان کی تحقیق اور خدمت گزاری ساٹھ پینسٹھ برسوں پر پھیلی ہوئی ہے۔ دنیا کے دور دراز علاقوں کے علماء اور دانشور تو ان کے نام اور کام سے واقف ہیں مگر برصغیر کی نئی نسل کی غالب اکثریت ان کے نام سے بھی نا آشنا ہے۔ آیئے! ہم آپ سے ڈاکٹر صاحب کا تعارف کراتے ہیں:

ڈاکٹر محمد حمید اللہ، ایم اے، ایل ایل بی، ڈی فل (جرمنی) ڈی لٹ (پیرس) کی عمر اب چوراسی سال سے اوپر ہے۔ (۱) (۱۹ فروری ۱۹۰۸ء کو حیدر آباد دکن میں پیدا ہوئے۔ حصول تعلیم کے بعد کچھ عرصہ عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد سے منسلک رہے

اور پھر علم کی تحقیقی جولانیاں انہیں یورپ کے کتب خانوں میں لے گئیں۔ بیس برس سے زائد عرصے تک فرانس کے نیشنل سنٹر آف سائنٹفک ریسرچ سے وابستہ رہے اور پھر بذات خود ایک تحقیقی ادارہ بن گئے۔ انہیں مشرق و مغرب کی متعدد زبانوں پر کامل عبور حاصل ہے جن میں اردو اور انگریزی کے علاوہ عربی، فارسی، فرانسیسی، جرمنی، سنسکرت اور اطالوی قابل ذکر ہیں۔ یوں تو انھوں نے اردو، انگریزی اور جرمن زبان میں متعدد کتابیں لکھی ہیں لیکن گزشتہ کئی عشروں سے وہ عمداً فرانسیسی ہی میں لکھتے ہیں۔ ان کی تقریباً تمام کتابوں کے درجنوں زبانوں میں تراجم ہو چکے ہیں۔ انھوں نے حکومت ترکیہ کی فرمائش پر ایک کتاب 'محمد رسول اللہ' لکھی جو بے حد مقبول ہوئی اور دنیا بھر میں اس کے ترجمے شائع ہوئے۔

ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کا ایک عظیم کارنامہ فرانسیسی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ ہے جس کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ اب تک اس کے انیس ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور یہ واضح رہے کہ برصغیر کی طرح وہاں کا ایڈیشن ایک ہزار کاپیوں کا نہیں بلکہ کم و بیش بیس ہزار جلدوں کا ہوتا ہے۔

اسی طرح انھوں نے دو جلدوں پر مشتمل فرانسیسی زبان میں جو سیرت طیبہ مُرتب کی ہے، وہ بھی بہت مقبول ہوئی۔ کتابوں کے علاوہ انھوں نے مختلف علمی اور اسلامی موضوعات پر جو تحقیقی مقالات لکھے جن کی تعداد ایک سو سے زیادہ ہے اور ان کا ہر مقالہ اختصار کے باوجود کئی کتابوں پر بھاری ہوتا ہے۔۔ کسی زمانے میں قرآن مجید کی مختلف زبانوں میں تراجم کا سراغ لگانا بھی ان کا ایک محبوب مشغلہ رہا ہے۔ انھوں نے ایک سو بیس زبانوں میں قرآنی تراجم کی ایک ببلیوگرافی مرتب کی اور ان کی یہ تحقیق بھی ایک انفرادی شان رکھتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب ہی کی تحقیق کے نتیجے میں ہمیں پتا چلا کہ اب تک قرآن مجید کے تین سو تراجم اردو زبان میں، ایک سو پچاس انگریزی اور ستر فرانسیسی زبان میں انجام

پذیر ہو چکے ہیں اور فرانسیسی میں تازہ ترین ترجمہ خود ڈاکٹر صاحب کا ہے۔ یہاں ہم ڈاکٹر حمیداللہ صاحب کی اردو اور انگریزی میں لکھی گئی کچھ کتابوں کے نام درج کرتے ہیں۔

اردو

۱۔عہد نبویؐ کا نظام حکمرانی ۲۔ رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی ۳۔رسول اکرمؐ کے میدانِ جنگ ۴۔ امام ابوحنیفہؒ کی تدوین قانونِ اسلامی ۵۔ صحیفہ ھمام بن منبہ (حدیث کا قدیم ترین مجموعہ) ۶۔محمدؐ رسول اللہ ۷۔الوثائق السیاسیہ ۸ فتح الاندلس ۹۔تدوینِ قرآن اوراس کے ترجمے ۱۰۔قانون بین المما لک کے اصول اور نظیریں ۱۲۔خطباتِ بہاولپور۔

انگریزی

1- Muslim conduct of sate
2- The first written - constitution in the Word
3- Mohammand Rasoolullah
4- Intrqduction to Islam
5- Constitutional Problems in Early Islam
6- The Friendly Relations of Islam with Christianity

ڈاکٹر محمد حمیداللہ صاحب ۱۹۴۸ء سے پیرس میں دو کمروں کے ایک معمولی فلیٹ میں رہائش پذیر ہیں اور یہی ان کی دنیا ہے۔ کرہ ارض پر پھیلے ہوئے براعظموں کے حالات وواقعات پر ان کی گہری نظر ہے لیکن وہ دنیا و مافیہا سے بے نیاز بھی ہیں اور علمی تحقیقات کی اپنی دنیا میں کھوئے رہتے ہیں۔ اپنے تحقیقی و تصنیفی منصوبوں کا اعلان کرتے ہیں نہ کسی سے مدد مانگتے ہیں، تھوڑے تھوڑے عرصے بعد کوئی تحقیقی کارنامہ نمودار ہو جاتا ہے جس سے علمی دینا کو ایک نئی روشنی میسر آتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب تن تنہا جو کام کر رہے ہیں وہ بڑے بڑے اداروں اور حکومتوں نے بھی سرانجام نہیں دیا۔ ان کی زندگی بھر کی دینی خدمت اور تحقیقی مشقت کا اجر خدا کے سوا کوئی دے بھی نہیں سکتا۔ ڈاکٹر صاحب تو صلہ وستائش سے بہت بلند تر ہیں، خدا اور رسولؐ پر ایمان کامل ہی ان کا زادراہ ہے۔ اقبال نے سچ کہا ہے۔

نقطہ پرکار حق مرد خدا کا یقیں
اور یہ عالم تمام وہم و طلسم و مجاز

ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب جسمانی طور پر دھان پان آدمی ہیں لیکن ان کی شخصیت میں کوہ ہمالیہ کی سی استقامت ہے۔ وہ بے حد نرم گفتار اور شگفتہ مزاج ہیں اور فن گفتگو کی نزاکتوں اور نفاستوں کے راز داں بھی! برسوں سے تمنا تھی کہ ڈاکٹر صاحب سے ملاقات ہو اور آخر ایک دن یہ آرزو پوری ہوگئی۔

اپریل ۱۹۹۲ء کے دوسرے ہفتے میں پاکستان انسٹی ٹیوٹ آف نیشنل افیئرز (پائنا) کے سیکرٹری جنرل جناب الطاف حسین قریشی نے مجھے بتایا کہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب (نواز شریف سابق وزیر اعظم) کی خصوصی دعوت پر دس روز کے لیے پاکستان آرہے ہیں اور ۳۰/اپریل کی شام ہمارے ادارے میں تشریف لائیں گے' لہٰذا ان کی گفتگو کا عنوان سوچو، تقریب ملاقات کے لیے دعوت نامے جاری کرو، چنانچہ ہم نے ساٹھ ستر منتخب شخصیات کو تقریب میں بلوالیا۔

وفاقی وزارت مذہبی امور کے ڈپٹی سیکرٹری' جناب مختار کو ڈاکٹر صاحب کے دورہ پاکستان میں افسر رابطہ کے فرائض سونپے گئے تھے۔ سب سے پہلے آپ ان کے تاثرات ملاحظہ کیجئے:

> ''۲۵/اپریل کو رات تین بجے ڈاکٹر صاحب کے استقبال کے لیے اسلام آباد ایئر پورٹ پہنچا تو میں نے دیکھا کہ ایک نحیف سی شخصیت اپنا سامان پشت پر باندھے طیارے کی سیڑھی سے اتر رہی ہے۔ میں پہلی نظر ہی میں سمجھ گیا کہ یہی میرے مہمان ہیں اور آگے بڑھ کر ان سے استدعا کی کہ اپنا بیگ' جو نہایت ہلکا پھلکا تھا' مجھے دے دیجئے اور ساتھ ہی ان کے ذاتی سامان کا ٹیگ بھی مانگا۔ چونکہ ڈاکٹر صاحب کے کان میری آواز سے پہلی دفعہ آشنا ہو رہے تھے' اس لیے میری بات سمجھ نہ سکے۔ میں نے اپنی درخواست دوبارہ دہرائی یہاں تک کہ ڈاکٹر صاحب چلتے چلتے پی آئی اے کی گاڑی تک پہنچ گئے اور مجھے مجسم سوال سمجھتے ہوئے خود کہنے لگے' میاں! تم کیا مانگتے ہو؟''
>
> ''میں نے پھر ذاتی سامان کا ٹیگ دینے کی درخواست کی۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی پشت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا' میرا سامان یہی ہے جو میری پشت پر بندھا ہے۔' میں یہ جواب سن کر سخت حیران ہوا۔ جب ہم لاؤنج میں پہنچے تو

وہی سوال سیکرٹری صاحب نے دہرایا۔ میں نے پوری داستان ان کے گوش
گزار کی اور کہا کہ اس روز دورۂ پاکستان کے لیے ڈاکٹر صاحب کپڑوں کے
دو جوڑے' چند کتابیں' ایک جوڑا جوتا اور اپنے رشتے داروں کے لیے کچھ تحفے
لائے ہیں۔ ہم سب کے لیے اس درویش منش مفکرِ اسلام کی سرگزشت حیران کن
تھی''۔

۲۸ ر اپریل کی شام ہم لوگ پائنا کی لائبریری میں خاصی دیر تک ان کے اعزاز میں منعقد ہونے والی تقریب کی تفصیلات طے کرتے رہے اور پھر ساڑھے نو بجے الطاف صاحب' ڈاکٹر حمید اللہ کے استقبال کے لیے لاہور ہوائی اڈے روانہ ہو گئے لیکن ۲۸ ر اپریل کو پشاور' کابل اور خود پاکستان کے ایوان حکومت میں جو ہنگامی منصوبے مرتب ہو رہے تھے' ان کی انہیں خبر نہ تھی۔

۲۹ ر اپریل کو ہمیں پتا چلا کہ جناب الطاف حسن قریشی تو وزیر اعظم کے ساتھ کابل جا چکے ہیں اور شاید وہ پائنا میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی تشریف آوری کے موقع پر موجود نہ ہوں گے یہ ڈرامائی حالات راتوں رات رونما ہو گئے ورنہ الطاف صاحب کی دلی آرزو تھی کہ وہ محترم مہمان کی میزبانی کا شرف حاصل کریں۔ اب یہ سعادت راقم الحروف کے حصے میں آئی لیکن میں نے سوچا کہ ڈاکٹر صاحب کا رسمی تعارف کروانے کے لیے کسی صاحب علم کی خدمت حاصل کرنی چاہیے۔ ابھی ہم پائنا کے صدر دروازے پر مہمان گرامی کی آمد کا انتظار کر رہے تھے کہ معروف دینی عالم' ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک' گاڑی سے اترے اور میں نے فوراً ان کا دامن پکڑ لیا۔ انھوں نے پھر اسٹیج سیکرٹری کے فرائض نہایت حسن و خوبی سے سرانجام دیے۔ انھوں نے اپنے تعارفی کلمات میں کہا:

''میں نے ایک طالب علم کی حیثیت سے ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی کتابوں سے
بہت استفادہ کیا ہے اور میں ان سے بے حد متاثر ہوں۔ آج کی دنیا میں ایک
ایسی جگہ جم کر بیٹھ جانا جسے' دارالکفر' بھی کہا جا سکتا ہے' وہاں کسی تشہیر اور
پروپیگنڈے کے بغیر اپنے کام میں لگ جانا' کسی سے اجر اور داد کی توقع نہ رکھنا

اور محض اللہ کی رضا کے لیے اللہ سے تعلق پیدا کر کے کام کرتے چلے جانا..... یہ ایک ایسی حیرت انگیز کارگزاری ہے جو فی زمانہ ناپید ہے' ہاں اب سے پانچ سو یا ہزار برس پہلے یہ ہمارے اکابر کی روایت رہی ہے۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کی کتابوں میں سے الوثائق السیاسیہ اور تعارف اسلام (Introduction to Islam) بار بار پڑھوائی اور ہزاروں لوگوں کو پڑھائی ہے۔ سعودی عرب میں قیام کے دوران میں نے ٹی وی پر جو لیکچر دیے ان میں جتنا استفادہ میں نے ڈاکٹر محمد حمید اللہ اور سید سلیمان ندویؒ کی کتابوں سے کیا اور کسی مصنف سے نہیں کیا۔ اس مختصر گزارش کے بعد میں ڈاکٹر صاحب سے درخواست کروں گا کہ وہ حاضرین سے خطاب فرمائیں''۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا خطاب

''محترم خواتین وحضرات! السلام علیکم! مجھ سے پوچھا گیا ہے کہ عہد حاضر میں مسلمانوں کے لیے راہ عمل کیا ہے اور ان کے مسائل کا حل کیا ہے؟ میں اپنی گفتگو کا آغاز اس بات سے کروں گا کہ اگر ہم مسائل میں گھرے ہوئے ہیں اور ہماری زندگی میں مصیبتیں اور مشکلیں ہیں تو یہ ہمارا ہی قصور ہے' اللہ تعالیٰ کا اس میں کوئی قصور نہیں۔ کیونکہ یہ صورت حال ہمارے اعمال کی سزا کے طور پر رونما ہوئی ہے۔ اگر ہم خود اپنی اصلاح نہ کریں تو اس بھنور سے نکلنا مشکل ہے۔ میں عرض کروں گا کہ خدا کی مشیت ہی ایسی ہے کہ وہ کافروں اور مومنوں دونوں کی مدد کرتا ہے۔ جو بھی درست راہ عمل اختیار کرے گا' کامیاب ہوگا۔ اگر ہم یہ بات مان لیں کہ قصور ہمارا ہی ہے تو پھر سوال یہ ہے کہ ہم اب کیا کریں؟

میرے نزدیک ہمیں اس سوال کا جواب رسول اکرمؐ کی سیرت طیبہ میں تلاش کرنا چاہیے کیونکہ وہ ہمارے لیے ایک نمونہ عمل ہے...... سیرت رسولؐ کے بعض اجزا ہر حال میں ہماری راہنمائی کرتے ہیں اور وہ اس معنی میں کہ تیئس سالہ زمانہ رسالت میں بہت سے نشیب وفراز کی صورتیں نظر آتی ہیں۔ ان میں تکلیف وہ صورت حال بھی تھی اور عروج کا زمانہ بھی۔ آخر تک

ایک دن وہ آیا جب خدا نے اپنے دین کو مکمل کر دیا۔

آج مسلمانوں کو رسول اکرمؐ کی نبوت کے ابتدائی دور پر خاص توجہ دینے کی ضرورت ہے کیونکہ اس میں صبر' استقامت اور کامیابی کے ہزاروں راز پوشیدہ ہیں۔ آپ دیکھیں کہ جب حضرت جبرائیل نے آپ کو خدا کا پیغام پہنچایا اور اس کی تبلیغ واشاعت کی تاکید کی تو وسائل کا کس قدر فقدان تھا' حالات کس قدر نامساعد تھے اور تبلیغ دین کا کام کس قدر صبر آزما اور کٹھن تھا لیکن جب خدا کا حکم ہے تو پھر اس پر بہرصورت عمل کرنا ہے خواہ اس راہ میں جنگ کرنی پڑے یا وطن چھوڑنا پڑے۔ میرے خیال کے مطابق حضور اکرمؐ نے یہ سب کچھ کیا اور ہمیں بھی اللہ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے سب کچھ کرنا چاہئے۔ ہمارے رسولؐ نے رضائے الٰہی کی راہ پر چلتے ہوئے تمام مسائل اور مشکلات کا حل تلاش کیا اور ہمارے لیے یہی نمونہ ہے مدینہ پہنچ کر آپؐ نے اسلامی مملکت قائم کی جس کے لیے یہ ضروری ہوتا ہے کہ علاقے کا ایک حاکم ہو اور ایک ہی قانون ہو جس پر سب رضا و رغبت سے عمل کریں۔ مملکت کے لیے حکمران اور قانون کے ساتھ زمین کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ مکے میں زمین بھی میسر نہ تھی' پھر بھی آپؐ مایوس نہ ہوئے اور اللہ کا کام جاری رکھا۔ شروع شروع میں حضورؐ پر ایمان لانے والوں کی تعداد صرف ایک تھی' پھر اور تین ہوئی اور اس میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا حتیٰ کہ جناب رسالت مآبؐ کے وصال کے وقت' میرے اپنے اندازے کے مطابق مسلمانوں کی تعداد کم وبیش پانچ لاکھ تک پہنچ گئی تھی۔ اس بات سے ظاہر ہوا کہ دشواریوں کے باوجود صبر اور استقامت سے کام کرنے والوں کی خدا مدد کرتا اور ان کے کام میں برکت دیتا ہے۔

اسلامی خلافت

خواتین وحضرات! آپ ذرا اس چھوٹی سی اسلامی مملکت پر بھی غور کریں جو رسول اکرمؐ نے مدینہ میں قائم کی۔ اس زمانے میں مدینہ ایک چھوٹا سا شہر تھا اور اس کی آدھی آبادی یہودیوں پر مشتمل تھی۔ ان کے علاوہ دوسرے غیر مسلم عرب بھی اسلامی مملکت کے دائرے میں شامل نہیں تھے۔ اس طرح مدینہ کی اسلامی مملکت شہر کے صرف ایک علاقے میں تھی مگر اس بات

سے حضورؐ کو کوئی تشویش نہیں ہوتی، آپؐ دین کی تبلیغ اور مسلمانوں کی تربیت جاری رکھتے ہیں اور جب اس دنیا سے رخصت ہوتے ہیں تو اس وقت اسلامی مملکت کا دائرہ دس لاکھ مربع میل تک پھیل چکا ہوتا ہے اور اس میں جزیرہ نما عرب، جنوبی عراق اور بحرین بھی شامل تھے۔ یوں اسلامی مملکت کے تصور میں ایک لچک بھی آئی یعنی وہ ایک مخصوص رقبے میں بھی ہو سکتی ہے اور الگ الگ بھی اور اس میں خودمختار ہر قسم کے علاقے شامل ہو سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر مدینہ سے ایک صاحب کو اسلام کی تعلیم کے لئے نمائندے کے طور پر عمان بھیجا گیا لیکن یہ تاکید تھی کہ وہ غیر مسلموں کے مسائل سے بے تعلق رہیں اور ان کے معاملات میں کسی قسم کی مداخلت نہ کریں۔

اب سوال یہ ہے کہ حضورؐ نے تو ایسی حکومت اور مملکت قائم کردی لیکن آج کل کے حکمرانوں کی ذہنیت کو دیکھتے ہوئے کیا راستہ اختیار کیا جائے؟ اگر ان سب سے کہا جائے کہ ایک خلافت اسلامیہ قائم کرو جس کا ایک واحد حکمران اعلیٰ ہو تو وہ یہ منصوبہ قبول نہیں کریں گے لہٰذا اب کیا کریں؟ میرے خیال میں ایک حل یہ ہے کہ تمام اسلامی دنیا مل کر سوئٹزرلینڈ کی طرز کا ایک نظام مملکت قائم کرے جس میں ہر علاقے کا نمائندہ ہوتا ہے اور باری باری ہر ریاست کا نمائندہ پورے علاقے کا حکمران بنتا ہے۔ اس وقت مسلمانوں کے چالس پچاس ملک ہیں، اگر ایسا نظام کوئی مرتب کیا جائے کہ ہر ملک کا حکمران نمایندوں کی مجلس کا رکن ہو اور باری باری ہر ملک کا حکمراں پورے عالم اسلام کا حکمران اعلیٰ یا خلیفہ بنے تو اس طرح اسلامی ملکوں میں اتحاد قائم ہو سکتا ہے۔ یہ نظام سب کے لئے قابل قبول ہونا چاہئے کیونکہ باری باری سب کو اقتدار اعلیٰ حاصل ہوگا۔

اجتہاد

دوسری ضرورت ایک مشترکہ اور متفقہ قانون کی ہے، سو اس کے لئے قرآن مجید موجود ہے۔ اگر مزید کوئی ضرورت پیش آئے تو اجتہاد کی راہ کھلی ہے اور ہمارے رسولؐ نے اسے پسند فرمایا ہے۔ اپنی عقل اور دانش بروئے کار لانے سے متعلق سب سے اچھی تلقین اس گفتگو میں

پوشیدہ ہے جو سرکارِ دو عالمؐ اور حضرت معاذؓ ابن جبل کے درمیان ہوئی ہے۔ حضورؐ نے ان سے دریافت فرمایا تھا کہ ان کے سامنے کوئی مقدمہ آئے' تو اس کا فیصلہ کیسے کرو گے؟ انھوں نے فرمایا۔''قرآنی احکامات کی روشنی میں۔'' جواب بالکل درست تھا' تاہم آپؐ نے اسے کافی خیال نہیں فرمایا اور پوچھا کہ اگر قرآن میں ایسی کوئی وضاحت موجود نہ ہو تو؟ انھوں نے کہا کہ حدیث اور سنت نبویؐ پر عمل کروں گا .... یہ جواب بھی درست تھا۔ بلاشبہ حدیث بھی جامع ہے' پھر بھی آپؐ نے پوچھا ''اگر اس میں بھی رہنمائی کی صورت نظر نہ آئے تو کیا کرو گے؟'' حضرت معاذؓ نے کہا ''میں قرآن اور سنت کے بعد اپنی عقل اور رائے سے حقائق معلوم کر کے صحیح فیصلے پر پہنچنے کی کوشش کروں گا۔''

حضورؐ اس بات سے اس قدر خوش ہوئے کہ آپؐ نے ہاتھ اٹھا کر فرمایا: ''اے اللہ! تیرے رسول کے رسول نے جو کہا اسے میں پسند کرتا ہوں۔'' تو گویا حضورؐ نے ہمیں نئے حالات اور معاملات میں مسائل سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ایک طریقہ کار بتایا ہے اور ہم بھی نئے زمانے کے تقاضوں کے مطابق اپنی عقل و دانش کی روشنی میں معقول فیصلے کر سکتے ہیں۔

اجماع

اس سلسلے میں اتفاق رائے یا کثرت رائے سے فیصلہ کرنے کے لیے اجماع کی اصطلاح کا بہت ذکر کیا جاتا ہے لیکن علمائے کرام مجھے معاف فرمائیں' تو میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اجماع فقط ایک مفروضہ اور افسانہ ہے' اس کا کوئی وجود نہیں اور چودہ سو برس میں اجماع کے ذریعے فیصلے کا کوئی طریقہ مقرر نہیں کیا گیا۔(۱) اب سوال یہ ہے کہ لوگوں کی رائے معلوم کرنے کا ذریعہ تو ہونا چاہیے خواہ وہ رائے اختلافی ہی کیوں نہ ہو! میری رائے یہ ہے کہ اس مقصد کے لیے ایک مرکزی تنظیم قائم کی جائے خواہ وہ لاہور میں ہو یا اسٹالن آباد (دوشنبے) میں' اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا' دنیا کے سب مسلمان ممالک میں اس کی شاخیں ہوں جن کے ذمے یہ کام ہو کہ وہ اپنے اپنے ملک یا خطے کے قابل اعتماد اہل الرائے کی فہرست مرتب کریں اور جب مرکزی ادارے کی جانب سے کوئی مسئلہ یا سوال آئے تو تمام اہل الرائے کو

بھیج کر ان سے مشورہ کریں اور اس طرح تمام آرا کو مرتب کیا جائے۔
اگر اختلاف ہو تو خاص رائے والوں سے ان کے دلائل و براہین معلوم کیے جائیں۔ خیال ہے کہ اس سوال و جواب کے نتیجے میں وہ یا تو اپنی رائے میں کچھ ترمیم کریں گے یا اسی رائے پر اصرار کریں گے۔ ہر چند کہ اس طرح بھی حتمی اور متفقہ فیصلے کی صورت رونما ہونا مشکل ہے لیکن ہم رائے معلوم کرنے کے سلسلے میں یہی کر سکتے ہیں' کسی کو اپنی رائے سے اتفاق کرنے پر مجبور نہیں کر سکتے۔ تو یہ حقیقت ہے اس صورت حال کی جسے سرسری طور پر اجماع تصور کیا جاتا ہے۔
بہر حال' ہمیں پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ مسائل اور معاملات کی نوعیت طرح طرح کی ہے اور اگر ہم چاہیں کہ سارے مسائل بیک جنبش لب حل کر لیں تو یہ ممکن ہی نہیں۔ ہر نئے مسئلے کو باری باری حل کریں اور سب کے مشورے اور غالب اکثریت کی رائے سے صحیح فیصلے تک پہنچنے کی کوشش کریں مجھے یقین ہے کہ اگر امت مسلمہ نیک نیتی سے کوشش کرے تو اللہ برکت دے گا اور ہمیں عذاب جہنم سے محفوظ رکھے گا اس بنا پر کہ ہم نے احکام الٰہی کے مطابق زندگی بسر کرنے کی کوشش ضرور کی۔ یہی کوشش ہمارے نجات کا سبب بن سکتی ہے۔ ہمارا ایمان یہی ہے کہ کوشش ہمارے ہاتھ میں ہے اور فیصلے خدا کے ہاتھ میں۔
خواتین و حضرات! میری گفتگو کا خلاصہ بس یہی ہے کہ امت مسلمہ یا مسلمان ملکوں کو دنیا میں ایک اسلامی مملکت قائم کرنی چاہئے جو قرآن اور حدیث کے رہنما اصولوں پر مبنی ہو۔ مملکت یا خلافت کے لئے تمام مسلم حکمرانوں کی انجمن ہو اور باری باری ساری دنیائے اسلام کا ایک حکمران اعلیٰ ہو پوری مملکت کے لیے یکساں قانون ہو جس کا سرچشمہ قرآن مجید ہو اور اگر نئے تقاضوں کے لئے قانون سازی کرنی ہو تو اہل الرائے کی عقل و دانش بروئے کار لائی جائے اور اس کے لئے مسلمانوں کی عالمگیر رائے معلوم کرنے کا اہتمام کیا جائے جس کا طریقہ میں نے ابھی بتایا ہے۔ فی الحال میرے ذہن میں یہی باتیں ہیں۔ اگر ہم اللہ کے قانون اور سیرت رسولؐ سے رہنمائی حاصل کریں گے تو خدا ہمیں سرخرو کرے گا۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نہایت دھیمے لہجے میں بات کرتے ہیں جو کچھ تو

انکے مزاج کا اور کچھ عمر کا تقاضا بھی ہے لیکن تمام حاضرین ہمہ تن گوش تھے۔ کبھی کبھی محفل میں ماشاءاللہ، سبحان اللہ کی آوازیں گونجتی رہیں۔

ڈاکٹر صاحب کی تقریر اذان کے وقت ختم ہوئی۔ نماز مغرب کے بعد دوبارہ نشست جمی تو سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوا اور چند منٹوں میں ایسا لگا کہ ہر طرف سے سوالوں کی بارش ہو رہی ہے، ہر شخص اپنے سوال کا جواب ڈاکٹر صاحب کے منہ سے سن کر خوش اور مطمئن ہونا چاہتا ہے۔ یہاں میں یہ عرض کرتا چلوں کہ خواتین و حضرات کے اس اجتماع میں بہت سے ممتاز علماء، دانشور، ماہرین تعلیم اور جید صحافی حضرات شامل تھے۔ فقط یادداشت کی بنا پر کچھ نام درج ذیل ہیں:

ڈاکٹر اسرار احمد، ڈاکٹر غلام مرتضٰی ملک، ڈاکٹر صفدر محمود، جناب مجید نظامی، مولانا صلاح الدین، سابق چیف جسٹس انوار الحق، جسٹس محبوب احمد، جناب ایس ایم ظفر، ڈاکٹر اعجاز حسن قریشی، ڈاکٹر وحید قریشی، ڈاکٹر رضا الحق، پروفیسر جمیلہ شوکت، جناب نذیر غازی، جناب اسماعیل قریشی، ڈاکٹر امین اللہ وثیر، جناب ممتاز احمد خاں، ڈاکٹر اقتدا حسن، عبدالکریم عابد۔

اس فہرست میں اطاف حسن قریشی صاحب کا نام شامل نہیں کیونکہ وہ گزشتہ رات کسی قدر ڈرامائی حالت میں لاہور سے پشاور اور وہاں سے کابل پہنچ گئے تھے جہاں انہوں نے نواز شریف (سابق وزیر اعظم) کے ساتھ نماز شکرانہ ادا کی۔ بہرحال اس سعادت نے انہیں ڈاکٹر حمید اللہ کی میزبانی کے شرف سے محروم رکھا۔ الطاف صاحب کی عدم موجودگی کو ہم سب نے شدت سے محسوس کیا، اگر وہ موجود ہوتے تو اس تقریب کی رعنائیوں میں کچھ اور اضافہ ہو جاتا۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کے ساتھ سوال و جواب والی نشست خاصی دلچسپ رہی۔ ایک ایک سوال کئی کئی انداز سے پوچھا گیا اور انہوں نے ہر سوال کا واضح جواب بھی دیا لیکن ساتھ ہی کہتے رہے ''میں ایسا سمجھتا ہوں........ ایسا خیال ہوتا ہے.... حتمی فیصلہ کوئی نہیں کر سکتا... ہمیں وہ راہ اختیار کرنی چاہئے جو ممکن اور قابل عمل

ہو......اچھے برے ہر دور میں ہوتے ہیں۔'' اور کہ '' خدا ہر چیز بہتر جانتا ہے........ اور جو مشیت الٰہی ہے وہی ہوگا'' ۔ وغیرہ وغیرہ۔ ان کی گفتگو سے یہ واضح ہوتا تھا کہ وہ دین و دینا کے معاملات میں اعتدال پسندی' معقولیت' روشن خیالی اور ایمانی محکم کی تلقین کر رہے ہیں۔

کچھ منتخب سوال جواب

سوال: حضرات! آپ نے مختلف مسائل پر تمام دنیا کے مسلمان اہل الرائے کے خیالات معلوم کرنے کے لیے عالمگیر رائے شماری کی جو تجویز پیش کی ہے' اس میں فیصلہ کون کرے گا؟ کیا یہ اتفاق رائے سے ہوگا یا کثرت رائے سے فیصلہ نہ ہو تو اجماع کا مقصد کیا ہے؟

جواب: میں نے جو منصوبہ پیش کیا ہے وہ حتمی فیصلے کے لیے نہیں بلکہ یہ معلوم کرنے کے لئے پیش کیا ہے کہ کسی معین مسئلے پر دنیا بھر کے اہل علم مسلمانوں کی رائے کیا ہے اور آغاز کے لیے یہی کافی ہے۔ فیصلہ ہو بھی تو یہ نہ سمجھیں کہ سارے اہل علم اسے تسلیم کر لیں گے۔ البتہ اہل الرائے کی غالب اکثریت کی جو رائے ہوگی وہ سب کو متاثر کرنے کے ساتھ ساتھ درست فیصلے کی طرف رہنمائی کرے گی۔ ہمیں قدم بہ قدم منزل کی طرف بڑھنا ہوگا۔ ہم کسی کو فیصلہ ماننے پر مجبور بھی نہیں کر سکتے۔ یہ واضح رہے کہ اس منصوبے کے تحت رائے اور دلیل پیش کرنے والے وہ حضرات ہوں گے جن کی عقل و دانش مسلم ہے وار جو اس ملک کے دانشوروں اور اہل علم میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ایسے قانونی' فقہی اور اجتہادی معاملات میں ان پڑھ اور بے خبر لوگ شامل نہیں ہوں گے۔ میں نے پہلے بھی عرض کیا ہے کہ اجماع ایک مفرضہ اور افسانہ ہے' ایسی کوئی چیز موجود نہیں البتہ رائے اور خیالات معلوم کرنے کا یہ ایک طریقہ اور طرز کار ہے اور عالمگیر آراء کا معلوم کرنا اور انہیں مرتب کرنا ہی اس کا مقصد ہے' اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

سوال: قیام پاکستان کے بعد اسلامی دستور کی ابتدائی تدوین سے آپ کا تعلق بھی رہا، پھر ضیاء الحق کے دور میں اسلامی نظام حکومت کا خاکہ تیار کرنے کے لیے مولانا ظفر احمد انصاری کی سربراہی میں جو کمیشن بنایا گیا، اس کے بھی آپ اعزازی مشیر رہے۔ آپ یہ فرمائیں کہ اسلامی دستور کی حتمی شکل کیوں نہ بن سکی اور اس کا معیاری ڈھانچہ تیار کرنے کا طریقہ کیا ہے؟

جواب: طریقہ وہی ہے جو شروع شروع میں اختیار کیا گیا تھا یعنی علمائے دین اور اہل دانش کو بٹھا کر ان سے سفارشات مرتب کرانا اور ان پر عمل درآمد کرانا۔ آپ کو معلوم ہے، پاکستان کے ابتدائی برسوں میں جن صاحبوں نے یہ خدمت انجام دی تھی ان میں سید سلیمان ندویؒ بھی شامل تھے اور حکومت کو جامع تجاویز پیش کی گئی تھیں۔ اب بھی وہی عمل دہرا کر اسلامی دستور تیار کیا جا سکتا ہے لیکن آپ بھی یہ بات جانتے ہیں کہ اس کا نتیجہ کیا نکلے گا! وہی جو پہلے نکلا تھا یعنی اس زمانے میں اہم سفارشات نظر انداز کر دی گئیں اور اب بھی وہی طرز عمل جاری ہے۔

سوال: آپ اسلامی نظام تعلیم کی تشریح فرمائیں گے؟

جواب: میرے خیال میں تعلیم کے معاملے میں مسلم اور غیر مسلم میں کوئی خاص امتیاز نہیں اور علیحدہ طور پر اسلامی نظام تعلیم کوئی مفہوم نہیں رکھتا۔ تعلیم سب کے لیے ضروری ہے مثلاً اگر آپ بم بنانا یا کوئی کارخانہ لگانا چاہیں تو اس میں اسلامی یا غیر اسلامی تعلیم کا کوئی تعلق نہیں۔ جو بھی علم حاصل کرے گا وہ اسے بروئے کار لا سکتا ہے، البتہ چند محدود معاملات ایسے ہیں جن میں اسلامی یا شرعی اقدار کی پاسداری لازم ہے اور غلط روش سے گریز کرنا چاہیے مثلاً تجارتی معاملات جن میں آج کل پاکستان میں بھی مضاربہ وغیرہ کے ذریعے متبادل اور اصلاحی طریقے اختیار کیے جا رہے ہیں۔ ظاہر ہے اسلامی نظام جب قرآن و سنت پر مبنی ہوگا تو ایسی اصلاحات خود بخود رونما ہوں گی لیکن عام تعلیم کا نظام سب کے لیے

یکساں ہے اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں حصول علم کے معاملے میں مسلم اور غیر مسلم میں کوئی امتیاز نہیں۔

سوال: جناب، آج مسلمان ملکوں کے خلاف امریکہ کی طرف سے مسلسل جارحانہ یلغار ہو رہی ہے، اس پر کچھ تبصرہ فرمائیں؟

جواب: کیا واقعی ایسی کوئی یلغار ہو رہی ہے؟ میرے خیال میں تو ایسی کوئی بات نہیں۔ ہوسکتا ہے بعض معاملات میں امریکہ کا طرز عمل ناپسندیدہ ہو، سیاست اور سرکاری نظم ونسق سے میرا کوئی تعلق نہیں لہذا میں اس پر کوئی بحث نہیں کرسکتا لیکن جارحانہ یلغار والی بات ماننے میں مجھے تامل ہے۔ ہوسکتا ہے کچھ لوگ خود اپنا طرز عمل نظر انداز کر کے ایسا کہتے ہوں مثلاً صدام حسین کے طرفدار.... اور آپ جانتے ہیں کہ خود صدام حسین نے کیا کیا، انھوں نے پہلے ہمسایہ مسلم ریاست پر قبضہ جمالیا جس کا انہیں کوئی حق نہ تھا۔ اس پر سعودی عرب نے اپنے مسلمان اور غیر مسلمان دوستوں کو پکارا جن میں امریکا بھی شامل تھا۔ اسکے بعد کچھ ہوا، آپ سب جانتے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کو اپنے طرز عمل کا بھی جائزہ لینا چاہیئے۔(۲)

سوال: ارشاد خداوندی ہے کہ یہودیوں کو دوست اور ولی نہ بناؤ، اس حکم کے حوالے سے یہ بھی ارشاد فرمائیں کہ اسرائیل کو تسلیم کرنے کے بارے میں آپ کا خیال کیا ہے؟

جواب: قرآن مجید میں ولی کا لفظ ہے، دوست کا نہیں جس کا مطلب میرے خیال میں یہ ہے کہ انہیں حاکم کے طور پر قبول نہیں کرنا چاہیے۔ اب رہی تعلقات قائم کرنے اور تسلیم کرنے کی بات تو یہ کسی قدر پیچیدہ مسئلہ ہے اس معنی میں کہ اس معاملے کے کئی پہلو پیش نظر رکھنے ہوں گے اور فیصلہ فلسطینی مسلمانوں کی رائے پر ہونا چاہیے کیونکہ بنیادی طور پر یہ مسئلہ اہل فلسطین کا ہے۔ اگر وہ کسی مصلحت کی بنا پر یا کسی دوسرے فائدے کے پیش نظر یا قومی دشمن کی دشمنی کم کرنے کی کوشش

کے طور پر، اپنے موقف میں کچھ لچک پیدا کریں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ میرا مشورہ اس بارے میں صرف اتنا ہے کہ جو بات ممکن اور قابل حصول ہو، وہ کریں، انہونی باتوں کا مطالبہ نہ کریں۔

سوال: قادیانیوں سے میل جول کہاں تک جائز ہے؟ کیا ہم ان سے معاشرتی تعلقات استوار کر سکتے ہیں؟

جواب: آپ جانتے ہیں میں پیرس میں رہتا ہوں جہاں غیر مسلموں سے مسلسل سابقہ پڑتا ہے اور ان سے کسی حد تک معاشرتی روابط بھی رکھنے پڑتے ہیں۔ اگر میں ان کا معاشرتی بائیکاٹ کر دوں تو مجھے وہاں روٹی بھی نہ ملے۔ اسی طرح قادیانیوں کے بارے میں بھی میری رائے یہی ہے کہ آپ تعلقات کے معاملے میں جارحانہ اور شدت پسندی کی روش اختیار نہ کریں۔ آپ ان کی باتوں پر توجہ نہ دیں اور ان کے نقطہ نظر سے اتفاق نہ کریں لیکن شدت کی راہ نہ اپنائیں بلکہ اپنا عمل، اخلاق اور طور طریق ایسا رکھیں کہ دیکھنے والے خود سوچنے لگیں کہ آپ کا مذہب اچھا ہے جس نے آپ کے فکر و عمل میں ایسا حسن پیدا کیا ہے۔

یہاں میں ایک واقعہ بیان کرنا چاہتا ہوں۔ ایک حبشی مسلمان ایک گورے کو لے کر میرے پاس آیا اور مجھے کہا کہ اسے فرانسیسی زبان ٹھیک طرح نہیں آتی، آپ اس گورے کو اسلام کی تعلیمات سے آگاہ کریں۔ میں نے گورے سے پوچھا کہ اسے یہ ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ اس نے کہا "ہم دونوں ایک ہی جگہ کام کرتے ہیں۔ ایک دن ہم اوپر جانے کے لیے لفٹ کے دروازے پر کھڑے اپنی باری کا انتظار کر رہے تھے۔ یہ حبشی آگے تھا اور میں پیچھے لیکن اس نے اپنا حق نظر انداز کر کے مجھے آگے کر دیا اور میں اس سے پہلے چلا گیا۔ اگر اس کی جگہ میں ہوتا تو ایسا نہ کرتا۔ اس کا اخلاق اور ایثار دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ اس آدمی میں بظاہر تو ایسی کوئی صفت نظر نہیں آتی، ضرور یہ اس کے عقیدے اور مذہب کی خوبی ہے، اس لیے میں جاننا چاہتا ہوں کہ اس کے مذہب (اسلام) کی تعلیمات

کیا ہیں؟'' جب میں نے اسے وہ بتائیں تو گورا مسلمان ہوگیا۔ گویا جو بات غزالی کے فلسفے سے ممکن نہ تھی وہ ایک ان پڑھ شخص کے طرز عمل کی وجہ سے رونما ہوگئی' لہذا ہمیں اپنے اخلاق اور عمل میں لچک' رواداری اور نرمی پیدا کرنی چاہیے' یہی طریقہ سب سے مستحسن ہے۔

سوال: شرعی عدالت نے سود کو ناجائز قرار دیا ہے' آپ کی رائے کیا ہے؟ مزید یہ کہ سودی کاروبار کو خدا اور رسولؐ سے جنگ قرار دیا گیا۔ آپ یہ فرمائیں کہ عہد نبویؐ میں اس پر کیا سزا دی جاتی رہی ہے؟

جواب: یہ سوال ہر جگہ مجھ سے کیا جاتا ہے اور پچاس سال سے کیا جا رہا ہے۔ چالیس سال پہلے جب میں ترکی میں پڑھاتا تھا' اس وقت بھی طلبہ یہی سوال پوچھتے تھے کہ آج کی دنیا میں سود کی تشریح کس طرح کی جائے گی؟ اب آج یہاں اور دوسرے ملکوں میں بھی یہ صورت ہے کہ آپ مکان بنانے یا خریدنے کے لیے کسی سے قرض لیتے ہیں پھر اس مکان سے استفادہ کرتے ہیں یعنی اس میں خود رہتے ہیں یا کرائے پر اٹھا دیتے ہیں تو جس شخص نے آپ کو اس کام میں مالی مدد دی ہے وہ بھی ایک طرح سے مالک کا شریک ہے اور اسے رقم کی سرمایہ کاری کا کچھ معاوضہ ملنا چاہیے۔ یہ سود کی صورت نہیں بلکہ ایک طرح کی تجارت ہے۔

عام طور پر لوگ ایسے لین دین میں سود کے لفظ سے بدکتے ہیں لہٰذا قرضے کے ایسے معاہدوں میں لفظ سود کا استعمال نہیں کرنا چاہیے بلکہ سرمایہ لگانے والا اپنا حق لے گا۔ اسی طرح جو شخص دکان کھولنے اور کارخانہ لگانے میں نفع حاصل کرنے کی غرض سے سرمایہ لگائے گا' تو یہ نفع سود نہیں کہلائے گا بلکہ وہ اپنے روپے کے حق کے طور پر کچھ زائد رقم حاصل کرے گا جس کی باہمی معاہدے میں وضاحت ہوگی۔

جہاں تک سوال کے دوسرے حصے کا تعلق ہے تو جواباً یہ عرض کروں گا کہ احکام شریعت میں ایک طرح کی تدریج پائی جاتی ہے۔ بعض کی سزائیں بیان کی گئی

ہیں مثلاً قتل کی سزا موت اور چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا۔ جھوٹ بھی ایک غلط اور مجرمانہ حرکت ہے لیکن اس کی سزا مقرر نہیں جس کا میرے خیال میں مطلب یہ ہے کہ اللہ پاک جھوٹ بولنے والے کو معاف کر سکتا ہے اور سزا بھی دے سکتا ہے' اس کی دنیا میں سزا مقرر نہیں' البتہ یہ کہا گیا ہے کہ حشر میں اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو سزا دے گا۔ میں مزید یہ عرض کروں گا کہ اسلامی احکام اور ممنوعات میں اسی قسم کی تدریج پائی جاتی ہے کہ کہیں عذاب الٰہی سے ڈرایا گیا ہے' کہیں مذمت پر اکتفا کی گئی اور کہیں سزائیں مقرر کر دی گئی ہیں۔ جہاں تک میں نے پڑھا ہے' عہد نبویؐ میں اور خلافت راشدہ کے دور میں بھی بعض مسلمان اپنی ضرورت کے لیے غیر مسلموں سے قرض لیتے تھے۔ غالباً عاقبت کے عذاب کا ذکر اس کو روکنے کے لیے کیا گیا ہے۔

سوال: زرعی زمین بٹائی یا کرائے پر دیے جانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: زرعی زمین کرائے پر دی جا سکتی ہے' اس میں کوئی امر مانع نہیں کیونکہ جب ایک شخص زمین استعمال کرتا ہے اور اس فائدہ اٹھاتا ہے تو اسے کرایہ دینا چاہئے اور مالک زمین کو لینا چاہیے۔

سوال: آپ پردے کے بارے میں کیا ارشاد فرمائیں گے؟

جواب: عورتوں کے پردے کا قرآن میں حکم دیا گیا ہے اور یہ ہر زمانے کے لیے ہے۔ ہماری بہنوں بیٹیوں کو پردہ کرنا چاہیے' نہیں کریں گی تو حکم عدولی ہو گی اور جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا ہے' خدا کے احکام اور ممانعتوں میں ایک تدریج نظر آتی ہے مثلاً یہ کہ قتل اور جھوٹ دونوں حرام ہیں لیکن سزاؤں کی شکل مختلف ہے اس تدریج کی وضاحت کے طور پر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ پردہ اولین درجے کے واجبات میں نہیں یعنی یہ مسئلہ توحید اور ایمان کے برابر کا نہیں' اس لیے یہ کہنا مناسب لگتا ہے کہ چونکہ پردے کی تاکید ہے لہٰذا اس پر عمل کرنا چاہیے۔ اگر ہماری بہنیں اس پر عمل کریں گی تو اللہ کی خوشنودی حاصل کریں گی اور اگر عمل نہیں

کریں گی تو امید رکھنی چاہیے کہ اللہ پاک اس کوتاہی پر انہیں معاف کر دے گا۔

سوال: وسطی ایشیا میں اسلام کی عظمت رفتہ بحال ہونے کے کیا امکانات ہیں؟

جواب: اس خطے کے لوگ مدت دراز کے بعد غلامی سے آزاد ہوئے ہیں۔ ہمیں اللہ پاک سے یہ دعا کرنی چاہیے کہ مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق پیدا ہو۔ مستقبل کا حال تو اللہ بہتر جانتا ہے لیکن ہمیں بہتری کی امید رکھنی چاہیے' یہی ہمارے بس میں ہے۔ دعا کیجئے کہ رب کریم ہمیں صراط مستقیم پر چلتے رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آپ سب کا بے حد شکریہ!

۱۔ اصول کی قدیم درسی کتابوں میں اجماع کے سلسلہ میں سرسری سی بحث ہوتی ہے، اسے عام طور پر شریعت کے ۴ ماخذوں میں سے ایک سمجھا جاتا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اجماع کے سلسلہ میں حقیقی بات وہی ہے جو ڈاکٹر صاحب نے بیان فرمائی۔ عام علماء سیرت، تاریخ اور روایت حدیث حتی کہ کتب حدیث کے سلسلہ میں بھی اس کا بے جا استعمال کرتے ہیں۔ کسی بھی نئی تحقیق اور اجتہاد کا راستہ روکنے کے لیے اسے ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں کہ فلاں مسئلہ پر امت کا اجماع ہے۔ فلاں بات اجماعی ہے۔ حالاں کہ اجماع احکام میں معتبر ہے نہ کہ تاریخ وغیرہ میں۔

۲۔ امریکہ اور اس کے حواریوں کی جنگ اسلام پسندوں سے ہے، اس میں دو رائے نہیں، ڈاکٹر صاحب کا اصل مور خود احتسابی پر ہے، ان کے اس بیان کو اسی تناظر میں دیکھا جانا چاہیے۔ پھر یہ کہ ان کی گفتگو کئی سال پہلے کی ہے جب کہ امریکی طاغوت پورے طور پر ننگا ہو کر سامنے نہیں آیا تھا جیسا کہ وہ اب (۲۰۰۳ء) میں سب کے سامنے ہے۔

علم وتحقیق کا شیدائی ۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ

— محمد فہیم اختر ندوی، اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا

۱۷ر دسمبر ۲۰۰۲ء کو امریکہ کے شہر فلوریڈا میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب اپنے رب سے جا ملے، موت برحق ہے جو ہر دن ہزاروں لاکھوں انسانوں کو آتی ہے، ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب اپنی عمر کے ۹۴ برس گذار چکے تھے، کہا جاسکتا ہے کہ عمر طبعی پوری ہو چکی تھی، ایک سادہ انسان، سادی زندگی گذارنے والا غریب الدیار مسافر سیدھی سادی زندگی گذار کر چلا گیا، لیکن ڈاکٹر صاحب مرحوم کی وفات کیا صرف اتنی ہی سی بات ہے؟

جن اہل نظر کی نظر میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کا انتہائی بے مثال محققانہ اور حیرتناک فاضلانہ علمی کام ہے ان کے دلوں سے پوچھیئے کہ اس واقعہ نے علم وتحقیق کی کیسی متاع گراں مایہ کو زیر گل کر دیا! بزم تحقیق میں اس وحشتناک خبر نے کیسی صف ماتم بچھا دی ہے! وہ اسلام کے ابتدائی علمی مصادر کی کھوج لگانے والا، وہ مشرق ومغرب میں گم نام اولین علمی سرمایہ کو ڈھونڈ نکالنے والا، وہ یورپ سے اپنے آباء کی کتابوں سے علم کے موتی نکالنے والا اب کون ہوگا، وہ دماغ جس کے ذخیرہ میں کتنی نادر معلومات کا خزینہ تھا، وہ سینہ جو کیسے کیسے قیمتی مخطوطات کے علوم کا سفینہ تھا، وہ نظر جس نے کہاں کہاں دشمنوں کی علمی عیاریوں اور اپنوں کی علمی غفلتوں کو تاک رکھا تھا، وہ ذہن وفکر جس نے اسلام اور اسلامی علوم کی حقانیت، صداقت اور معولیت کے کیسے کیسے طاقور دلائل ونتائج کو مستنبط کر رکھا تھا، وہ زبان جس نے اپنوں میں کم اور غیروں میں زیادہ اسلام اور رسول اسلام کی شاندار تصویر کو سامعین کے ذہنوں میں سجایا تھا، وہ قلم جس نے اسلام کی ٹھوس، سچی اور حسین تعلیمات کو ان اقوام

تک پہنچایا تھا اور پہنچا رہا تھا جن کا یہ قرض دنیا بھر کے سوا ارب مسلمانوں کے دوش پر تھا، آہ!
سب تو چلا گیا، ڈاکٹر محمد حمید اللہ ایک شخص تھا، انتہائی سادہ و متواضع، لیکن اس کی ذات میں
کتنی بڑی، گہری اور پھیلی دنیا تھی، اب یہ باوقار دنیا ویران ہو چکی ہے، وہ علم کا شجر سایہ دار
جس کے شیریں پھل سے دنیائے علم شادکام ہو رہی تھی، وہ پھل پھول تو انشاء اللہ باقی رہیں
گے، لیکن درخت کی جڑ اب سوکھ کر فنا ہو چکی ہے، بارالہا! تو اس مرد علم و تحقیق کو اپنے شایاں
اجر عطا فرما، اور امت مرحومہ کو نعم البدل عطا فرما۔

تعلیم و تدریس

ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم ہندوستان کے شہر حیدر آباد میں ۱۶ محرم ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۹
فروری ۱۹۰۸ء کو پیدا ہوئے تھے، جامعہ نظامیہ اور جامعہ عثمانیہ سے تعلیم کا مرحلہ مکمل کیا، علمی
شغف اور جستجو ابتداء سے ہی بے پایاں رہی، ایم اے اور ایل ایل بی کے بعد اعلیٰ تعلیم و تحقیق
کے لئے دیار غیر پہنچے اور بون یونیورسٹی جرمنی سے ''اسلام کے بین الاقوامی تعلقات'' کے
موضوع پر ڈی فل کی ڈگری حاصل کی، پھر سوربون یونیورسٹی پیرس سے ''عہد نبوی اور
خلافت راشدہ میں اسلامی سفارت کاری'' پر مقالہ لکھ کر ڈاکٹر آف لیٹرز کی سند حاصل کی، یہ
آپ کے تعلیمی سفر کی مختصر سرگذشت ہے۔

کتاب زندگی کی تدریس کا ورق جب پلٹا تو کچھ عرصہ تک جامعہ عثمانیہ حیدر آباد
میں پروفیسر رہے، پھر یورپ جانے کے بعد جرمنی اور فرانس کی یونیورسٹیوں میں تدریس کی
خدمت انجام دی، فرانس کے نیشنل سینٹر آف سائنٹفک ریسرچ کے ادارہ سے بیس سال کے
قریب وابستہ رہے، نیز یورپ و ایشیا کی متعدد جامعات میں اہم موضوعات پر توسیعی
خطبات کے سلسلے جاری رہے۔

تحقیق و جستجو

ڈاکٹر صاحب مرحوم بنیادی طور پر جویائے علم و تحقیق تھے، اور علمی تشنگی کی اس رہ
نوردی میں استفادہ کے ممکنہ وسائل کے حصول کے لئے اپنی ہر متاع شوق کو قربان کرتے

گئے۔ وطن کی سرزمین کو بہ وجوہ خیرآباد کہہ کر پیرس میں پناہ گزینی اختیار فرمائی، اور پیرس کی خیرہ کن چمک دمک سے خود کو حیرتناک طور پر علاحدہ رکھا۔ مشرق کی زبانوں عربی، فارسی، ترکی اور اردو پر عبور حاصل کر کے مغرب کی زبانوں انگریزی، فرانسیسی، جرمن اور اطالوی وغیرہ پر دسترس حاصل کی۔ لائبریریوں اور کتب خانوں کے اسفار کئے اور قیمتی و نایاب مخطوطات کا سراغ لگایا۔ مولانا مناظر احسن گیلانی جیسے محققین مشرق سے علمی استفادہ کے بعد مغرب کے دانشور فلاسفہ، مستشرقین اور ماہرین فنون سے حسب ضرورت خوشہ چینی کی۔

ان بیش بہا وسائل سے آراستگی کے ساتھ ڈاکٹر صاحب مرحوم نے وقت کی نبض کو پہچانا اور علمی انقلاب کی اس صدی میں دانشوری کے مراکز میں بیٹھ کر اور گھوم کر علمی تحقیق و تدقیق اور دریافت وانکشافات کے دریا بہانے لگے۔ آپ کی تحقیقات نے وقت کے محققین کو اپنی طرف متوجہ کرلیا، اسلامیان عالم اپنے نایاب گنجینوں کی یافت پر شاداں ہوئے، ان کے سامنے مستشرقین مغرب کے اٹھائے گئے اعتراضات اور اشکالات کے فلک بوس محلات زمین بوس ہوتے گئے، علمی تلبیس اور تزویر کے دلدادگان چونک پڑے اور مشتاقان حق و صداقت کو شفاف وروشن سچائیاں دستیاب ہونے لگیں۔

نتائج تحقیق

ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب مرحوم بہت بابرکت رہے، قدرت کے دست فیاض نے عمر بھی طویل مرحمت فرمائی اور آپ نے اسے مجرد گذار کر مزید فارغ البال کرلیا۔ اور اس طویل عرصۂ حیات میں علمی کاموں میں بھی بڑی برکت رہی، آپ نے فرانسیسی زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ کیا، اسی زبان میں دوجلدوں پر مشتمل سیرت پاک لکھی، انگریزی میں The Battle fields of the prophet Mohammad, The Muslim Conduct of state اور Mohammad Rasul Allah the First written-constitution وغیرہ لکھی، عربی میں الوثائق السیاسیہ للعہد النبوی و الخلافۃ الراشدہ، تراجم قرآن کی ببلیوگرافی، "القرآن فی کل

لسان'' اورامام بخاری کی کتاب ''الجامع الصحیح '' کااشاریہ، اردو میں رسول کریم ﷺ کی سیاسی زندگی، عہد نبوی میں نظام حکمرانی اور قانون بین الممالک کے اصول اور نظیریں نیز خطبات بہاولپور وغیرہ ہیں، حدیث کے موضوع پر عہد صحابہ میں مرتب ہونے والے قدیم ترین مجموعہ احادیث صحیفہ ہمام بن منبہ کی دریافت اوراس کی تحقیق واشاعت آپ کا اہم کارنامہ ہے۔

ایشیائی اور یوروپی زبانوں میں آپ کی تصنیفات کی کثیر تعداد ہے،اوراس سے زیادہ بڑی تعداد آپ کے بے انتہا تحقیقی مقالات کی ہے جومختلف یوروپی زبانوں کے رسائل میں طبع ہوتے رہے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب مرحوم صرف کثیر التعداد صاحب تصنیف نہ تھے،اور نہ صرف متعدد اللسان صاحب زبان تھے، بلکہ آپ کے کاموں کی اصل وقعت یہ ہے کہ اول آپ نے اسلامی علوم کے ابتدائی مصادر ومراجع کو مرکز توجہ بنایا۔ چنانچہ قرآن کریم کے ترجمہ کے ساتھ دنیا کی ایک سوبیں زبانوں میں قرآن کے تراجم اور بطور نمونہ سورۂ فاتحہ کے ترجمہ پر مشتمل ببلوگرافی تیار کی۔ حدیث کے موضوع پر صحابی رسول حضرت ابوہریرہؓ کے شاگرد حضرت ہمام بن منبہ کا صحیفہ دریافت کر کے تحقیق کے بعد اسے شائع کیا،فرامین نبوی اور معاہدات ومکتوبات نبوی کو یکجا کرنے کا سہرا بھی اسی محقق کے سر بندھتا ہے،اور سیرت پاک کے سیاسی پہلو بالخصوص نظام حکمرانی اور دفاع وغزوات کے علاوہ نظام تعلیم، نظام عدلیہ، نظام مالیہ وغیرہ پر آپ نے قیمتی تصنیفات اور تحریریں تیار فرمائیں۔آپ کے علمی کاموں کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ کسی بھی موضوع پر آپ کی تحریر محض سرسری یا ہلکے پھلکے دلائل یا ثانوی مصادر پر مشتمل نہیں ہے،آپ نے کتنی لائبریریوں اور مخطوطات تک رسائی حاصل کر کے اولین مصادر اور دلائل کی یافت کی، تحقیق اور مطالعہ میں جان کھپائی اور تب اپنے علمی نتائج پیش کئے۔

فکر و نقطۂ نظر

علم کی گیرائی اور مطالعہ کی وسعت کی پہچان فکری اعتدال اور علمی تواضع ہے۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم کی تحریوں میں یہ دونوں خوبیاں بہت نمایاں نظر آتی ہیں، آپ کی وسعت مطالعہ کا اندازہ آپ کی کسی بھی تحریر کو پڑھ کر کیا جا سکتا ہے۔ سطر سطر سے علم و معلومات کا چشمہ ابلتا محسوس ہوتا ہے، اسی طرح مختلف اختلافی موضوعات پر آپ کا نقطۂ نظر ایسا معتدل اور سلجھا ہوتا ہے اور مدلل بھی ہوتا ہے کہ قاری خواہ موافق ہو یا مخالف سر تسلیم خم کر لیتا ہے، ذیل میں ڈاکٹر صاحب مرحوم کی ان دونوں خوبیوں کی صرف چند مثالیں ان کی تحریر سے پیش کی جاتی ہیں۔

قانون بین الممالک کی ایجاد کے بارے میں فرماتے ہیں:

''قانون بین الممالک بھی ایک ایسا علم ہے جو مسلمانوں کا ہی رہین منت ہے اور مسلمانوں ہی نے سب سے پہلے اس کو وجود بخشا...... (آگے تفصیلی دلائل سے اس کو ثابت کرتے ہوئے کہتے ہیں)...... اگر انٹرنیشنل لا چند مخصوص قوموں کے لئے نہیں بلکہ اس کا اطلاق دنیا کے تمام ملکوں پر یکساں ہونا چاہئے تو اس قانون کا آغاز مسلمانوں سے ہوا اور شاید اب بھی مسلمانوں ہی کے ہاں وہ قانون ہے، کسی دوسرے کے پاس تا حال نہیں آیا'' (خطبات بھاولپور ص ۱۵۶)

ایسی ہی رائے اصول فقہ کے بارے میں ظاہر کرتے ہیں:

''دنیا کی تاریخ قانون میں مختلف قوموں نے اپنی طرف سے کچھ نہ کچھ اضافہ کیا ہے، مسلمانوں کا سب سے بڑا کارنامہ غالباً اصول فقہ ہے، مسلمانوں سے پہلے بھی دنیا میں قانون موجود تھا لیکن اصول فقہ جیسی چیز دنیا میں کہیں نہیں ملتی اور آج بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک امتیازی اضافہ ہے جس کی بدولت علم قانون کی ایک بڑی کمی پوری ہوگئی ہے۔'' (خطبات بہاولپور ص ۱۱۸)

یہ مشہور ہے کہ ڈارون نے ارتقاء کا نظریہ پیش کیا اور بندر کو انسان کی اصل قرار دیا، لیکن دیکھئے ڈاکٹر صاحب چوتھی اور پانچویں صدی ہجری کی دو کتابوں اخوان الصفا اور ابن مسکویہ کی الفوز الاصغر کا ذکر کر کے بتاتے ہیں:

''ان دونوں کتابوں میں ارتقاء کا نظریہ بیان کیا گیا ہے اور آپ کو معلوم کر کے حیرت ہوگی کہ ان مسلمان مؤلفوں کی زندگی میں کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا اور کبھی انہیں کافر قرار نہیں دیا.......... کھجور کے درخت کو اعلیٰ ترین پودے اور ادنیٰ ترین حیوان دونوں سے مشابہت ہے، پھر اس کے بعد ادنیٰ ترین قسم کا حیوان پیدا ہوتا ہے، وہ ترقی کرتے کرتے کیا بنتا ہے؟ ابن مسکویہ بیان کرتا ہے اور اخوان الصفا میں بھی وہی بیان کیا گیا ہے کہ وہ بندر کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ یہ ڈاروِن کا بیان نہیں مسلمان حکماء کا بیان ہے'' (خطبات بہاولپور ص ۲۱۷)(۱)

یہ تو وسعت معلومات کی چند مثالیں تھیں، فکری اعتدال کا اظہار ذیل کی مثالوں میں دیکھئے، شیعہ اور سنیوں سے مروی حدیث کے موضوع پر فرماتے ہیں:

''اصولاً یہ بیان صحیح ہے کہ حدیث کی کتابوں میں جو سنیوں کی حدیثیں ہیں اور جو شیعوں کی حدیثیں ہیں ان میں اختلاف ہو، لیکن عملاً ایسا نظر آتا ہے کہ یہ مفروضہ ہی ہے، راویوں کا بے شک فرق ہے، مثلاً میں حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت پر ایک چیز بیان کرتا ہوں، وہی بات میرا شیعہ بھائی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت پر بیان کرتا ہے تو یہ مفروضہ کہ شیعہ سنی کی ساری حدیثوں میں فرق ہے، غلط ہے۔ فرق صرف روایت کرنے والوں میں ہے، حدیث کے مندرجات میں فرق نہیں ہے، تضاد شاذونادر ہوگا۔''

(خطبات بہاولپور ص ۲۷)

فقہ شیعی اور فقہ سنی کے موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''ہم عقائد کی بنا پر ضرور جھگڑیں گے، سنی شیعوں سے، شیعہ سنیوں سے، لیکن ان کی فقہ میں کوئی ایسا امتیاز نظر نہیں آتا کہ یہ شیعہ قانون ہے، یہ سنی قانون ہے، سبھی اپنے آپ کو اولاً قرآن اور ثانیاً سیرت پر مبنی کرتے ہیں، ظاہر ہے ایسے میں کیا فرق ہوگا'' (ایضاً ص ۱۶۷)

سود کی حرمت اور موجودہ دور میں اس پر عمل کے بارے میں دوٹوک انداز میں فرماتے ہیں:

''اگر مسلمان آپس میں تجارت کا انتظام کریں اور باہم سود نہ لیں اور قرض کی صورت میں زیادہ سے زیادہ مضاربت کے اصول پر عمل کریں تو ہم سود سے بچ سکتے ہیں، انٹرنیشنل اور غیر انٹرنیشنل لا کے باعث سود کے متعلق اسلامی احکامات بدل نہیں سکتے، یہ اور بات ہے کہ ہم اس پر عمل کر سکتے ہیں یا نہیں کر سکتے، جب تک ہم غلام رہے انگریز ہم پر برائی مسلط کرتے رہے، ہم مجبور تھے، لیکن اب ہم آزاد ہیں ہمارے پاس صلاحیتیں بھی ہیں، امکانات بھی ہیں ان سے مدد لے کر ہم اپنے آپ کو اس سے بچا سکتے ہیں'' (ایضاص ۱۸۱)

اجماع، اسلامی قانون کے مصادر میں قرآن وحدیث کے بعد تیسرا اہم درجہ رکھتا ہے، موجودہ دور میں یہ کیونکر قابل عمل ہوسکتا ہے، اس پر ڈاکٹر صاحب مرحوم کی عملی رائے ملاحظہ کیجئے:

''گذشتہ چودہ سال سے اجماع کو ایک ادارے کی حیثیت دینے کی طرف ہم نے کوئی توجہ نہیں کی، نتیجہ یہ ہے کہ کسی چیز پر اجماع ہوا یا نہیں، اس کے معلوم کرنے کا آج ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں...... ہر ملک میں انجمن فقہاء قائم کی جائے، کسی مقام پر اس کا ایک صدر مرکز ہو...... اس کو ایک سوال پیش کیا جائے گا...... وہ اس سوال کو ساری شاخوں کے پاس روانہ کر دے گا...... ہر شاخ کا سکریٹری اپنے ملک کے سارے مسلمان قانون دانوں کے پاس اس سوال کی نقل روانہ کر کے درخواست کرے گا کہ تم اپنا مدلل جواب اس کے متعلق روانہ کرو، یہ جوابات...... وہ مرکز کو روانہ کرے گا کہ یہ متفقہ جواب ہے، اگر اختلافی جواب ہو تو اختلافات کے ساتھ لیکن ہر فقہ کی دلیلوں کے ساتھ...... دیکھا جائے کہ اس پر سب کا تفاق ہے تو اس امر کا اعلان کیا جا سکتا ہے کہ اس جواب پر سب لوگ متفق ہیں لیکن اگر اختلاف ہو تو اختلافی دلیلوں کا ایک خلاصہ تیار کیا جائے اور دوبارہ اس کو گشت کرایا جائے تاکہ جن لوگوں کی پہلے ایک رائے تھی ان کے سامنے مخالف دلیلیں بھی آئیں...... جب اس طرح کافی غور و بحث کے بعد دوبارہ تمام شاخوں سے مرکز کے پاس جواب موصول ہو جائیں تو یہ معلوم ہو جائے گا کہ کس چیز پر اجماع ہوا ہے اور کس چیز پر اختلاف رائے ہے، نیز یہ کہ

اختلافی پہلو پر اکثریت کی رائے کیا ہے، ان سب نتائج کو ایک مراسلہ کی صورت میں شائع کیا جائے جس میں جوابات بمع دلائل درج ہوں۔''

(ایضاص ۱۳۹)

اسلوب خطاب وتحریر:

جیسا کہ عرض کیا گیا، ڈاکٹر صاحب پوری طرح متواضع انسان تھے۔ رہن سہن تو متواضعانہ تھا ہی، آپ کی تحریر وتقریر میں بھی تواضع وانکساریت پوری طرح جھلکتی تھی، اپنی آراء کا اظہار اس طرح کرتے کہ دوسرے کی رائے کی توہین نہ ہونے پائے اور طالب علمانہ انکسار واضح ہو، لب ولہجہ انتہائی شائستہ اور جذباتیت ومبالغہ آرائی سے پاک ہوتا، حقائق اور واقعات کو بھی نہایت محتاط الفاظ میں بیان کرتے۔ بیان اور تحریر کا اسلوب سہل، دلنشین اور شگفتہ وسلجھا ہوا ہوتا تھا، اس کی چند مثالیں بطور نمونہ ملاحظہ ہوں:

جب نبی ﷺ کے پاس پہلی وحی آئی تھی تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے دریافت کرنے پر ورقہ بن نوفل نے کہا تھا کہ ''یہ ناموس موسیٰ علیہ السلام سے مشابہ ہے''۔ ناموس کے مصداق کی تعیین میں اختلاف ہے، ڈاکٹر صاحب مختلف آراء نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں:

> ''میرے ذہن میں یہ آتا ہے کہ ناموس اصل میں ایک اجنبی لفظ ہے جو معرب ہو کر عربی زبان میں مستعمل ہوا ہے، یہ یونانی زبان کا لفظ ''نوموس'' (Nomos) ہے، یونانی زبان میں لفظ توریت کو نوموس یعنی قانون کہتے ہیں، دوسرے الفاظ میں ورقہ بن نوفل کا بیان ہے کہ یہ چیز حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توریت سے مشابہ ہے، اور یہی معنی زیادہ قرین قیاس ہے'' (خطبات بہاولپور ص ۱۱)

اجتہاد کے مسئلہ پر ایک رائے نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں:

''میرا تصور اس کے متعلق یہ ہے، ضروری نہیں کہ اس رائے سے آپ متفق ہوں۔'' (ایضاص ۱۴۳)

اوپر کی سطروں میں متعدد اقتباسات نقل کیے گئے ہیں، ان سے بھی آپ کے

اسلوب تحریر کی شگفتگی اور سادگی پر روشنی پڑتی ہے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب مرحوم کے علمی کارناموں پر نظر ڈالی جائے اور موجودہ دور کی علمی زبوں حالی، سطحیت اور تحقیق سے عاری ماحول کو پیش نظر رکھا جائے تو یقیناً ڈاکٹر صاحب کی وقیع ترین اور ہمہ گیر علمی کاوشوں پر حیرت ہوتی ہے، اور ڈاکٹر صاحب کی شخصیت قدرت کے اس عجیب نظام کی یاد تازہ کرنے لگتی ہے کہ وہ اپنے دین اور علم کی خدمت کے لئے ماحول اور گردوپیش سے بالکل الگ تھلگ خوبیوں سے آراستہ شخصیات کو پیدا کرتی رہتی ہے۔ اس پندرہویں صدی میں ڈاکٹر صاحب مرحوم کی شخصیت اس سلسلۂ زریں کی ایک کڑی معلوم ہوتی ہے، جس سے آٹھویں صدی میں ابن خلدون اور بارہویں صدی میں شاہ ولی اللہ کی شخصیات وابستہ رہی ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے دیار غیر میں غیروں کی زبانیں سیکھ کر اسلام کی تعلیمات کو نکھری صورت میں ان تک پہنچایا اور تبلیغ اسلام کا شاندار فریضہ انجام دے گئے۔ آپ کی شخصیت ناسازگار ماحول میں علمی کام کرنے والوں کے لئے مثالی رہنما ہے۔

بارالٰہا، تو بھی اس محقق و مبلغ اسلام کو شایان شان جزاء خیر سے نواز، آمین۔

ا ڈارون کے نظریۂ ارتقاء کے سلسلہ میں ڈاکٹر صاحب نے بعض مسلمان فلسفیوں کے حوالہ سے یہ بات لکھی ہے کہ وہ نظریۂ ارتقاء کی اس سے مماثل تشریح کرتے تھے۔ نفس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے خود آیت قرآنی وخلقکم اطوارا سے استدلال کرتے ہوئے مختصراً اس کی تشریح کی ہے، جس سے اختلاف کیا جا سکتا ہے (ملاحظہ ہو ۱۲۱۔۱۱۸ خطبات بہاولپور، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلامی یونیورسٹی پاکستان ۱۹۹۲ء) لیکن لگتا یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب اسے علمی و تحقیقی مسئلہ سمجھتے ہیں عقیدہ کا نہیں۔ ڈارون خود مذہبی انسان تھا لیکن اس کے نظریہ کو جدید تہذیب نے اپنے الحادی فلسفہ کی ترویج کے لئے استعمال کیا۔ اس کو تسلیم کر لینے سے خدا کے انکار تک بات پہنچی۔ لیکن اب خود مغرب میں اس سے رجوع ہو رہا ہے۔ اور First cause (علت العلل) کے قائلین بڑھتے جا رہے ہیں۔ اور ڈارون کا نظریۂ ارتقاء تقریباً مسترد کیا جا چکا ہے۔

ڈھونڈھو گے ہمیں ملکوں ملکوں، ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم

مشہور محقق و عالم دین ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ

—ڈاکٹر مظفر عالم، استاذ شعبہ عربی، حیدرآباد

ڈاکٹر صاحب کا تعلق حیدرآباد دکن کے ایک معزز اور باوقار نوائطی خاندان سے تھا۔ آپ کے والد ماجد مفتی خلیل اللہ اور خاندان کے دیگر افراد علوم اسلامی میں تابندہ ستارے کی مانند تھے۔ اس طرح یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ ڈاکٹر صاحب کو علوم اسلامی میں شغف موروثی طور پر ملا تھا۔

آپ کی پیدائش ۹ رفروری ۱۹۰۸ء کو حیدرآباد دکن میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اسی شہر کے مختلف دینی وعصری اداروں میں حاصل کی جو علم وادب کا ایک ممتاز گہوارہ تھا۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے آپ نے جرمنی کا رخ کیا جہاں بون یونیورسٹی سے اسلام کے بین الملکی قانون پر تحقیقی مقالہ لکھ کر D.Phill کی سند حاصل کی، علاوہ ازیں فرانس کی سوبورن یونیورسٹی سے عہد نبوی اور خلافت راشدہ میں اسلامی سفارت کاری پر تحقیقی مقالہ لکھ کر D.Lit کی سند حاصل کی۔

ان رسمی اسناد کی حصولیابی کے بعد ایک مختصر مدت تک آپ عثمانیہ یونیورسٹی سے منسلک رہے۔ جہاں بین الملکی قانون کے پروفیسر کی حیثیت سے آپ نے تدریسی خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد فرانس چلے گئے اور وہیں کے ہو رہے۔ فرانس کے National Centre of Scientific Research سے کم وبیش دو دہائی تک آپ وابستہ رہے۔ ماضی قریب تک یوروپ اور ایشیا کی مختلف یونیورسٹیوں میں آپ کے توسیعی خطبات کا سلسلہ جاری رہا۔ ادھر چند برسوں سے امریکہ میں مقیم تھے۔

وہیں دسمبر ۲۰۰۲ء میں ۹۴ برس کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا۔

ڈاکٹر صاحب لغات شرقیہ کے علاوہ لغات غربیہ پر بھی خاص قدرت رکھتے تھے۔ اس لسانیاتی مہارت نے نہ صرف آپ کو مصادر اصلیہ سے استفادہ کرنے کا موقع فراہم کیا بلکہ سچ تو یہ ہے کہ آپ اسے ایک مؤثر ہتھیار کے طور پر کام میں لاتے رہے۔ اور آج علوم اسلامیہ کا ہر طالب علم آپ کو محقق اور مفکر کے علاوہ مبلغ اسلام کی حیثیت سے بھی جانتا ہے۔

آپ کی زندگی میں سادگی کی عکاسی کرتے ہوئے پروفیسر نثار احمد فاروقی لکھتے ہیں:

"ڈاکٹر محمد حمید اللہ ایک بے مثال عالم تو ہیں ہی عام لوگوں کو یہ معلوم نہیں ہوگا کہ قرون اولیٰ کے عباد اللہ الصالحین کی طرح نہایت سادہ زندگی گزارتے ہیں۔ پیرس جیسی عشرت گاہ میں ایک چھوٹے سے کمرے میں جس میں آرائش اور آسائش کا کوئی سامان نہیں، قناعت اور توکل کے ساتھ رہتے ہیں۔ نام ونمود شہرت وعزت، دولت، مال، جاہ و اقبال سے بے نیاز رہ کر صرف اور صرف خدمت دین میں اپنا ایک ایک سانس صرف کرتے ہیں"۔

انتہائی کبرسنی کے باوجود اپنی تمام ترضروریات زندگی میں قانع، متوکل اور خود کفیل تھے۔ کھانا پکاتے اور کپڑے خود دھوتے، اشیاء خانہ خود ترتیب دیتے۔ غرض کہ کوئی خادم اور نہ کوئی رشتہ دار، دست خود دہان خویش کا معاملہ تھا۔ اس نظام زندگی کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر صالح العود رقم طراز ہیں:

> ''اس نظام زندگی کے تین اسباب ہیں۔ پہلا سبب تو یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب عزیمت صادقہ کے پیکر ہیں، ایسی عزیمت دور حاضر میں شاذ و نادر کسی شخصیت میں پائی جاتی ہے۔ دوسرا سبب آپ کا زہد اور تقویٰ ہے اور تیسرا سبب آپ کی غذا کی نوعیت ہے، چنانچہ حلال گوشت کی موجودگی کے باوجود تقریباً چالیس سال سے کبھی آپ نے گوشت کو ہاتھ نہیں لگایا۔ آپ کی محبوب غذا ابلی ہوئی سبزی، دودھ، اور دودھ سے بنی ہوئی اشیاء انڈے اور پھل ہے۔''

دنیا سے آپ کی لاتعلقی کا عالم یہ ہے کہ ۱۹۹۴ء میں شاہ فیصل ایوارڈ کے لئے جب آپ کا انتخاب کیا گیا تو آپ نے ازراہ بے نیازی لینے سے انکار کر دیا کیوں کہ اپنی

خدمات کا صلہ آپ عنداللہ لینے کے قائل ہیں۔ گرچہ یہ ایوارڈ آپ کی اسلامی خدمات کے اعتراف میں دیا جارہا تھا لیکن آپ نے اس کے لئے کسی رسمی سند کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ فقیرانہ زندگی اور درویشانہ سادگی آپ کا شعار تھا۔ آپ نے پوری زندگی علمی اعتکاف میں بسر کی۔ فرانسیسی اور انگریزی زبان میں ان کی کتابوں سے یورپ میں بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ آپ کی تصنیفات کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ اس کا احاطہ کرنا دشوار ہے۔ یہ تصنیفات مختلف زبانوں میں ہیں۔ اردو اور انگریزی کے علاوہ بالخصوص آپ کی بے بہا علمی خدمات فرانسیسی زبان میں ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید کا ترجمہ اور سیرت النبی (دو جلدوں میں) فرانسیسی زبان میں اسلام کی وہ خدمات ہیں جن سے موجودہ یورپ اور آئندہ نسلیں صرف نظر نہیں کرسکتیں۔ اسی طرح انگریزی میں آپ کی تصنیف Mohammad Rasoolullh مقبول خاص وعام ہے۔ ''القرآن فی کل لسان'' کے نام سے آپ نے قرآن کریم کی ایک ایسی Bibliography تیار کی جس میں دنیا بھر کی کم وبیش ۱۲۰ر زبانوں میں قرآن کے تراجم کا تذکرہ ہے۔ علم حدیث کے سلسلہ میں آپ کا اہم ترین کارنامہ ''صحیفہ ہمام بن منبہ کی جدید پیرائے میں تحقیق واشاعت ہے۔ اس کا مخطوطہ آپ کو برلن میں دستیاب ہوا۔ یہ وہ قدیم ترین صحیفہ ہے جو عہد صحابہ میں ہی مرتب ہوا تھا۔ ''قانون بین الممالک کے اصول اور نظیریں'' آپ کی وہ خاص تصنیف ہے جس نے یوروپ کی نیند حرام کردی۔ اس کتاب کے ذریعہ مسلمانوں کے قدیم علم سیر کو آپ نے قانون بین الملکی کی حیثیت سے متعارف کرایا اور اس بات کو ثابت کردیا کہ اس طرح کا قانون تا حال صرف اور صرف مسلمانوں کے پاس ہے۔ علاوہ ازیں ''الو ثائق السیاسیۃ للعھد النبوی و الخلافۃ الراشدہ'' ''عہد نبوی کے میدان جنگ'' اور عہد نبوی میں نظام تعلیم'' وغیرہ آپ کی قابل ذکر تصنیفات ہیں جن میں آپ نے سیرت کے مختلف پہلوؤں پر مدلل اور مفصل بحث کی ہے۔

کثرت تصنیف وتالیف، سرعت کتابت، فکری عبقریت خدا کا خاص عطیہ ہے جو ہر کس وناکس کو نہیں ملتا، سوائے ان چند لوگوں کے جن پر رحمت الٰہی متوجہ ہوجائے۔ تصنیف وتالیف میں مداومت، صحت ومرض، سفر وحضر میں اس کی پابندی، فکری یک سوئی اور انہماک

وہ انمول عطیہ ہیں جس پہ انسان جتنا بھی شکر ادا کرے کم ہے۔ محمد بن عبداللہ جو ابن البیع کے نام سے مشہور ہیں اور مستدرک علی الصحیحین کے مصنف ہیں، کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کی تصنیفات ۱۵۰۰ کے قریب ہیں۔

''امیر البیان شکیب ارسلان رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دوست ہاشمی الاتاسی کو ۱۹۳۵ء میں ایک خط لکھا جس میں اس سال کی اپنی تحریری کام کا تذکرہ کیا۔ جس میں ۱۸۱۷ خطوط، ۱۷۶ مقالے اور ۱۱۰۰ صفحات پر مشتمل کتاب، یہ ساری چیزیں شامل تھیں۔ خط کے آخر میں انہوں نے یہ بھی لکھا کہ ہر سال ان کی تحریروں کا یہی تناسب ہے۔''

حافظ بیہقی احمد بن الحسین صاحب سنن کبری ایک ہزار کتابوں کے مصنف تھے۔ علامہ جلال الدین سیوطی کی تصنیفات ۶۰۰ کے قریب ہیں۔ حافظ ابن الجوزی کی کتابوں کی تعداد ۵۱۹ ہے، اور جاحظ، عربی کے مایہ ناز ادیب کی تحریروں کی تعداد ۳۵۰ ہے۔ حافظ عمر بن احمد بن شاہین کی تصنیفات ۳۳۰ کے قریب ہیں۔ علامہ طبری کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ کو ۸۶ سال کی زندگی ملی جن میں ۷۲ سال مسلسل ۱۴ صفحات روزانہ لکھنے کا آپ کا معمول رہا۔ اور عصر حاضر کی مایہ ناز اسلامی شخصیت ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی تحریریں بشمول کتابوں اور مقالوں کے آج سے دس سال قبل ۱۱۱۲ تھیں۔

آپ کی یہ تصنیفات ۷ علمی اور بڑی زبانوں میں ہیں۔ آپ کی معرکۃ الآراء تصنیف Introduction to Islam جو اصلاً فرانسیسی زبان میں لکھی گئی ہے دنیا کی ۲۳ زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہے۔ کثرت تصنیف میں آپ کا موازنہ حکیم الامت علامہ اشرف علی تھانویؒ سے کیا جا سکتا ہے جن کی چھوٹی بڑی تصنیفات کی تعداد ان کی وفات کے وقت ۱۰۰۰ کے قریب تھیں۔ دئے گئے اعداد و شمار کی روشنی میں یہ کہا جاتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب عصر حاضر کے مایہ ناز صاحب قلم تھے اور کثرت تالیف اور سرعت تحریر میں امامت کے مرتبہ پہ فائز تھے۔

ممکن ہے یہ سوال ذہن میں ابھرے کہ جب آپ اس قدر تصنیفی کاموں میں منہمک تھے تو غور و فکر اور مطالعہ کا وقت کہاں سے لاتے تھے، کھانا پینا سونا اور دیگر ضروریات

ے کیسے فارغ ہوتے تھے، سیمنار اور جلسوں میں کیسے شریک ہوتے تھے، رشتہ داروں، احباب اور گھر کے افراد سے ملاقاتوں کا کیا نظم کیا ہوتا تھا، تو ان تمام باتوں کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے وقت میں برکت دے دیتا ہے۔ پھر ڈاکٹر صاحب مجرد اور غیر شادی شدہ تھے، لہٰذا خانہ داری کی ذمہ داریوں سے آزاد تھے۔ ڈاکٹر صاحب کی تصنیفات کی ایک طویل فہرست ہے جو کم وبیش ۱۶۵ کتابوں اور ۱۰۰۰ مقالوں پر مشتمل ہے۔

آپ کی مشہور تصنیفات مندرجہ ذیل ہیں:

ترجمہ قرآن کریم: (فرانسیسی زبان میں) بیس سے زیادہ ایڈیشن آ چکے ہیں، پہلا ایڈیشن ۱۹۵۹ء میں پیرس سے شائع ہوا۔

پیغمبر اسلامؐ: زندگی اور کارنامے (دو جلدوں میں فرانسیسی زبان میں) کئی بار زیور طباعت سے آراستہ ہو چکی ہے۔ آخری ایڈیشن ۱۹۸۹ء میں منظر عام پر آیا۔

اسلام کا تعارف: (فرانسیسی زبان میں) کئی مرتبہ شائع ہو چکی ہے اور دنیا کی ۲۳ مختلف زبانوں میں اس کا ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔

پیغمبر اسلامؐ کے چھ سیاسی خطوط: (فرانسیسی زبان میں) یہ کتاب پیرس سے ۱۹۸۶ء میں شائع ہوئی۔

روزہ کے مقاصد: (فرانسیسی زبان میں) یہ کتاب پیرس سے ۱۹۸۳ء اور ۱۹۸۸ء میں شائع ہوئی۔

فہرس تراجم القران: دنیا کی ۱۲۰ مختلف زبانوں کے تراجم کا اس میں تذکرہ ہے۔ یہ استانبول سے شائع ہوئی ہے۔

تصحیح ترجمہ بخاری از بوسکائی: (فرانسیسی زبان میں) پیرس سے شائع ہوئی ہے۔

مجموعة الوثائق السیاسیته للعهد النبوی والخلافته الراشده: (عربی زبان میں) بیروت سے شائع ہوئی۔ مذکورہ کتابوں کے علاوہ آپ نے بہت ساری کتابوں کی تحقیق بھی کی ہے، جن میں مندرجہ ذیل خاص اہمیت کے حامل ہیں:

ابن قتیبہ کی کتاب الانواء: حیدرآباد سے ۱۹۵۶ء میں شائع ہوئی۔

بلاذری کی انساب الاشراف: مصر سے ۱۹۵۹ء میں شائع ہوئی۔

قاضی رشید کی الذخائر والتحف: کویت سے ۱۹۵۹ء میں شائع ہوئی۔

ابن قیم کی مقدمہ فی علم السیر یا حقوق الدول فی الاسلام فی احکام اھل الذمتہ: دمشق سے ۱۹۶۱ء میں شائع ہوئی۔

دینوری کی کتاب النبات: ۱۹۷۳ء میں شائع ہوئی۔

سیرۃ ابن اسحاق: رباط سے ۱۹۷۶ء میں شائع ہوئی۔

صحیفتہ ھمام بن منبہ: بیروت سے ۱۹۷۹ء میں شائع ہوئی۔

واقدی کی کتاب الردۃ و نبذۃ من فتوح العراق: بیروت سے ۱۹۸۹ء میں شائع ہوئی۔

امام محمد بن حسن شیبانی کی کتاب السیر الکبیر: حیدرآباد سے ۱۹۸۹ء میں شایع ہوئی۔

مندرجہ بالا تصنیفات وتحقیقات کے علاوہ آپ کی کچھ دیگر قابل ذکر خدمات ہیں جن کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ مثلاً دائرۃ المعارف الاسلامیہ یعنی اردو اسلامی انسائیکلو پیڈیا کی تحریر میں آپ کا ایک بڑا حصہ ہے جس میں آپ کے ۱۲۲ اہم مضامین شامل ہیں۔ یہ انسائیکلو پیڈیا ۱۹۶۵ء میں منظر عام پہ آیا۔ اس طرح مختلف مذاہب کے اطلس کی تیاری میں بھی آپ سرگرم عمل رہے۔ یہ اطلس پیرس سے ۱۹۶۶ء میں شائع ہوا۔ اسی نوعیت کا دوسرا اطلس جب ۱۹۸۸ء میں لکھا جانے لگا تو آپ نے اس میں بھی شدید محنت کی۔ یہ دونوں مذہبی اطلس فرانسیسی زبان میں شائع ہوئے۔

خطبات بہاولپور ڈاکٹر صاحب کی کتاب ہے اور دیگر تصنیفات سے قدرے مختلف ہے، کیونکہ یہ آپ کے ان توسیعی خطبات کا مجموعہ ہے جو آپ نے بہاولپور یونیورسٹی پاکستان کی دعوت پر ۱۹۸۰ء میں دئے تھے۔ یہ تمام خطبات بے ساختہ اور برجستہ ہیں یعنی کسی تحریری یادداشت کا سہارا نہیں لیا گیا ہے۔ آپ نے یہ خطبات بارہ روز مسلسل مختلف اہم اسلامی موضوعات پہ دئے جنھیں دوران گفتگو ٹیپ کی مدد سے ریکارڈ کرلیا گیا اور بعد میں بے کم وکاست ضبط تحریر میں لایا گیا۔ توسیعی خطبات کا سلسلہ برصغیر میں کافی نیا ہے۔ موجودہ صدی میں ہی اس کی داغ بیل علامہ سیّد سلیمان ندوی کے خطبات مدارس کے

ذریعے پڑی تھی۔ جو آپ نے South Indian Muslim Educational society Madras. کی دعوت پر دئے تھے۔ اس کے بعد علامہ اقبالؒ نے بھی "تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ" کے متعلق اپنے گرانقدر خطبات وہیں پیش کئے۔ اس طرح یہ سلسلہ چل پڑا اور ماضی قریب میں قاضی مجاہد الاسلام قاسمی رحمۃ اللہ کے خطبات بنگلور اور مولانا عبداللہ عباس ندوی مدظلہ کے خطبات حیدرآباد اس کی کڑیاں ہیں۔ جہاں تک ڈاکٹر صاحب کے خطبات کا تعلق ہے تو آپ نے ہر خطبے میں ایسے اہم نکات پیش کرنے کی کوشش کی ہے جو بیشتر محققین کے لئے غور وفکر کے نئے دریچے کھولتے ہیں مثلاً تاریخ قرآن مجید آپ نے ماسبق کے تمام مفروضات کو مستند حوالوں سے رد کیا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قرآن مجید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہی یکجا کرلیا گیا تھا، خلیفہ اول کے زمانے میں اسے ایک کتاب کی شکل دی گئی اور خلیفہ ثالث جنہیں جامع القرآن کی حیثیت سے جانا جاتا ہے ان کے جمع قرآن کی حقیقت یہ ہے کہ آپ نے تمام مسلمانوں کو صرف ایک ہی نسخہ قرآن پر جمع کردیا تھا۔

ڈاکٹر محمد حمیداللہ کی سادگی اور قناعت پسندی کی زندگی طالب علموں کے لئے اور معلموں کے لئے ہمیشہ نمونہ رہے گی۔ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ رحمت ومغفرت کا معاملہ فرمائے۔ آمین۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی وفات حسرت آیات

ایک عظیم دینی وملی سانحہ

— حبیب الرحمٰن اعظمی عمری

۷ار دسمبر ۲۰۰۲ء کو یہ خبر وحشت اثر عالم اسلام کے دل پر بجلی بن کر گری کہ ارض دکن کے مایہء ناز فرزند اور دنیائے علم وفضل کے روشن مینار ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کا ''جیکسن دیلی'' (فلوریڈا، امریکہ) میں انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم کی ذات میں اللہ تعالی نے بڑی خوبیاں سمودی تھیں۔ خدا اور خلق خدا سے آپ کا دلی تعلق مثالی تھا۔ مزاج صوفیانہ اور انتہائی قناعت پسند پایا تھا۔ رہن سہن میں سادگی، بول چال میں سنجیدگی اور تقریر وتحریر میں بڑی متانت ہوا کرتی تھی، طبیعت میں اس قدر انکساری تھی کہ آپ کی خاکساری بالکل اس شعر کا مصداق تھی۔

کس خاک سے بنا ہوں، عجب خاکسار ہوں
بیٹھوں تو نقش پا ہوں، اٹھوں تو غبار ہوں

سینے میں دل دردمند رکھتے تھے، ہر ضرورت مند کی تائید کو اپنا فرض سمجھتے تھے اور دوسرے کی مدد کر کے دلی مسرت محسوس کرتے تھے۔ تعلق باللہ اور زہد وتقوی کی یہ کیفیت تھی کہ رمضان المبارک کے آخری عشرے میں سارے دنیوی مشاغل سے کنارہ کش ہو کر پیرس کی جامع مسجد میں اعتکاف کیا کرتے اور ہر چیز سے بے تعلق ہو کر ذکر الہی میں خود کو مصروف کر لیا کرتے۔ غرض آپکی شخصیت مختلف پہلوؤں سے بڑی مثالی تھی۔

ڈاکٹر صاحب مرحوم کا تعلق سرزمین دکن کے ایک علمی گھرانے سے تھا، حیدرآباد کے قدیم محلے ''فیل خانہ'' میں ۱۹۰۸ء میں آپ کی ولادت ہوئی۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ دارالعلوم (نظامیہ) اور جامعہ عثمانیہ میں ہوئی۔ ۱۹۳۰ء میں آپ نے جامعہ عثمانیہ سے ''دینیات'' کے موضوع پر امتیازی نمبروں سے ایم اے کیا اور اسی سال ایل ایل بی کا امتحان بھی درجہ اول میں پاس کیا۔ موصوف ۱۹۳۵ء میں وطن لوٹے تو آپ کا تقرر جامعہ عثمانیہ میں لکچرر کی حیثیت سے ہوا۔ اس کے ساتھ قانون کے اسباق بھی لیتے رہے۔ کچھ عرصہ بعد شعبہ قانون میں ریڈر کی حیثیت سے آپ کا تقرر ہوگیا۔ جامعہ عثمانیہ میں تقریباً چودہ سال تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد ۱۹۴۸ء سے ۱۹۶۹ء تک ''پیرس'' کی سوربون یونیورسٹی'' میں ریسرچ اسکالر رہے اور ساتھ ہی درس وتدریس کا سلسلہ بھی جاری رکھا عمر کے آخری دنوں میں جب صحت جواب دینے لگی تو آپ اپنی بھتیجی سدیدہ عطاء اللہ کے گھر ''فلوریڈا'' (امریکہ) میں مقیم ہوگئے۔

پیرس کے نصف صدی قیام کے دوران آپ نے دین اسلام کی اشاعت کا نہائی قابل قدر کام انجام دیا ہے۔ اور اردو، فارسی اور عربی کے علاوہ انگریزی، فرانسیسی اور ترکی زبانوں پر بھی آپ کو کامل دسترس حاصل تھی۔ آپ نے فرانسیسی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ کیا ۱۹۹۶ء تک اس کے پندرہ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ انگریزی زبان میں سیرت کے موضوع پر ''محمد رسول اللہ'' کے نام سے ایک بڑی جامع کتاب لکھی ہے، جسے آپ کی ۳۵ برسوں کی تحقیق اور مطالع کا نچوڑ کہا جاسکتا ہے۔ فرانسیسی زبان میں بھی سیرت پر دو جلدوں میں ایک مفصل کتاب لکھی۔ ڈاکٹر صاحب نے سیرت کے مختلف گوشوں پر انوکھے انداز سے روشنی ڈال کر نئی نسل کے ذہنوں کی فکر ونظر کی ایک نئی سمت عطا کی ہے۔ اسلام کے متعلق کتنی ہی غلط فہمیوں کا ازالہ کرتے ہوئے اس کی روشن تعلیمات کے بہت سے گوشوں کو اجاگر کیا ہے۔ آپ نے دنیا کو بتایا کہ اسلام کی نظر میں جنگ کے مقابلے میں امن اور آشتی کی کس قدر اہمت ہے اور

یہ بھی واضح کیا ہے کہ دنیا کی تمام تاریخوں میں انسانوں کو غلام بنانے کا ذکر ملتا ہے، مگر غلاموں کو آزاد کرنے کی بات صرف اسلام نے کہی ہے۔ اسلامی مملکت کے نظم ونسق اور نظام عدل وانصاف کے مختلف گوشوں پر بھرپور انداز میں آپ نے روشنی ڈالی ہے۔

آپ کی تصنیف ''عہد نبویؐ کے میدان جنگ'' ایک انفرادی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ کا ایک اور مثالی کارنامہ آپ کی کتاب "القرآن فی کل لسان" ہے جس میں دنیا کی بیشمار زبانوں میں قرآن مجید کے ۱۲۰ ترجموں کے نمونے پیش کیے گئے۔ ''رسول اللہ ﷺ کی سیاسی زندگی'' ''عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی'' ''عہد نبویؐ کا نظام تعلیم'' ''دنیا کا پہلا تحریری دستور'' ''قرآن دستور مملکت'' ''ہجرت یا نوآبادکاری'' وغیرہ عناوین پر آپ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے، وہ آپ کی علمی بصیرت اور تحقیقی عظمت کا واضح ثبوت ہے۔ یہ سارے مضامین اور کتابیں دنیا کی مختلف زبانوں میں شائع ہو چکی ہیں۔ ۱۹۵۳ء میں ''سوربون یونیورسٹی'' (پیرس) سے پی، ایچ، ڈی کے لیے پیش کیا ہوا آپ کا مقالہ ''سیاسی وثیقہ جات از عہد نبویؐ تا خلافت راشدہ'' بھی بڑا وقیع ہے، دنیا کی کئی زبانوں میں اس کے ترجمے ہو چکے ہیں۔

بطور نمونہ آپ کی بعض اہم تصانیف کے نام پیش کیے جا رہے ہیں۔

(۱) مکتوبات نبوی (۲) سیرت طیبہ (۳) قانون شہادت (۴) امام ابوحنیفہؒ کی تدوین قانون اسلامی (۵) اسلامی ریاست (۶) قانون بین الممالک (امام محمد شیبانی کی عربی کتاب کا فرانسیسی میں ترجمہ جو چار جلدوں میں شائع ہوا ہے) (۷) سیرت طیبہ کا پیغام عصر حاضر کے نام (۸) نبی اکرمؐ کے خارجہ تعلقات (انگریزی) (۹) اسلام کا تعارف (انگریزی) اس کتاب کے پانچ ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ (۱۰) مسلمانوں کا طرز حکومت (اس کتاب کے سات سے زیادہ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں) (۱۱) روزہ کیوں؟ (اس کتاب کا پہلا ایڈیشن جرمنی میں چھپا تھا، پھر کئی زبانوں میں اس کے ترجمہ ہوئے۔ (۱۲) خطاب بہاولپور (تین ایڈیشن چھپ چکے ہیں اور انگریزی میں بھی اس کا ترجمہ ہو چکا ہے) (۱۳) اسلام

(۱۵) اسلام اور عیسائیت (انگریزی) (۱۴) کے بنیادی مسائل کا حل (انگریزی)
(۱۷) اسلام کا عمومی تصور (انگریزی) (۱۶) اسلام اور اشتراکیت (انگریزی)
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور جوانی (اردو)

دنیائے علم وتحقیق کا یہ درخشاں سورج اور آسمان فضل وکمال کا تابندہ ستارہ اپنے روشن کارناموں سے ایک عالم کو فیضاب کرنے کے بعد اس دار فانی سے رخصت ہو چکا ہے۔ اور اپنے پیچھے ایک ایسا عظیم خلا چھوڑ گیا ہے جو عرصہ تک شاید ہی پر ہو سکے۔ اللہ تعالی مرحوم کی تمام دینی وملی خدمات کو شرف قبولیت بخشے اور آپ کو جنت الفردوس اور اعلی علیین میں جگہ نصیب فرمائے۔ آمین

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

اب انہیں ڈھونڈو چراغ رخ زیبا لے کر

— مولانا محمد رضوان قاسمی

ڈاکٹر محمد حمید اللہ (۲۰۰۲۔۱۹۰۸ء) عالم اسلام ہی کے نہیں بلکہ دنیائے انسانیت کے بلند پایہ مصنف، عظیم محقق، باخبر مؤرخ، صاحب بصیرت سیرت نگار، نامور قانون داں اور شہرت یافتہ دستور ساز تھے۔

وہ کیا گئے کہ رونق محفل چلی گئی

سہ ماہی ''مجلّہ عثمانیہ'' کراچی نے ۱۹۹۷ء میں اپنا ایک خصوصی شمارہ (اپریل تا جون) شائع کیا تھا، جس کا ایک بڑا حصہ ڈاکٹر صاحب کے لئے مخصوص ہے۔ ۱۷۴ صفحات پر مشتمل مجلّہ عثمانیہ کے اس شمارہ میں ڈاکٹر صاحب سے متعلق نامور اصحاب علم و قلم کے قابل قدر مضامین ہیں۔ ان مضامین میں ایک مضمون مشہور خطیب اور صاحب قلم شاہ بلیغ الدین صاحب کا بھی ''ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے بارے میں ذاتی تاثرات'' کے عنوان سے ہے۔ مضمون دل چسپ اور معلومات افزا ہے۔ اس مضمون میں ذکر کردہ دو واقعات پڑھیے۔

''اسی زمانے میں سوسائٹی نے اعلان کیا کہ بہادر یار جنگ اسکول میں ڈاکٹر صاحب فرانسیسی اور روسی زبانوں کی تعلیم دیں گے۔ پھر ان کے کچھ خاص خاص لکچر بھی ہوئے۔ اس زمانے میں ڈاکٹر صاحب نے بہادر یار جنگ اسکول کی مالی امداد بھی کی۔ اسکول اسی زمانے میں قائم ہوا تھا۔ ابتداء میں اسکول کے اخراجات بڑی مشکل سے پورے ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ اساتذہ کی تنخواہوں کا انتظام نہیں ہو پا رہا تھا۔ ڈاکٹر یاسین زبیری، شیخ حیدر صاحب اور میں خداداد کالونی کے مکان میں ڈاکٹر صاحب سے ملنے گئے۔ میں نے اسکول کی مجلس انتظامیہ کے سکریٹری کی حیثیت سے

اپنی مشکلات بیان کیں۔ ہم لوگ اس وقت خداداد کالونی کے ایک گھر میں کچی مٹی کی دیواروں کے کمرے میں چاندنی کے فرش پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس تکیے کے پیچھے ہاتھ ڈالا جس سے وہ لگے بیٹھے تھے۔ اپنا بٹوہ نکالا اور میرے سامنے ڈال دیا۔ فرمایا جتنی ضرورت ہو اس میں سے لے لیجئے۔ میں بڑی شش و پنج میں پڑ گیا۔ یہ مجھے معلوم تھا کہ ڈاکٹر صاحب کے انکار کے باوجود حکومت پاکستان نے ان کے لئے کچھ الاؤنس اور بھتہ مقرر کر دیا تھا، لیکن کتنا؟ کچھ معلوم نہ تھا۔ میں رک گیا تو ڈاکٹر صاحب نے فرمایا۔ آپ بلا تکلف جتنی رقم کی ضرورت ہو اس میں سے نکال لیں۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ تنخواہوں کی رقم میں سترہ سو روپے کی کمی تھی۔ میں نے عرض کیا ڈاکٹر صاحب! میری ضرورت تو سترہ سو روپے کی ہے، آپ جو مناسب سمجھیں عطیہ عنایت فرمائیں۔ انہوں نے بڑی ہمت افزائی کے لہجے میں مجھ سے فرمایا...... میں نے کہہ تو دیا کہ آپ اپنی ضرورت کے مطابق اس میں سے رقم نکال لیں۔ ہم تینوں خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ پھر میں نے ڈاکٹر صاحب کی طرف دیکھا تو فرمایا...... بسم اللہ! میں نے بٹوہ کھولا۔ یہ سو سو روپے کے نوٹوں سے بھرا ہوا تھا۔ میں اس میں سے ایک ایک نوٹ نکالتا گیا اور فرش پر ڈالتا گیا، سترہ کی گنتی ختم ہوئی تو میں نے بٹوہ بند کر کے انہیں پیش کیا، انہوں نے بٹوہ میرے ہاتھ سے لے کر تکیے کے پیچھے ڈال دیا۔ پھر ہم باتوں میں مشغول ہو گئے۔ اللہ کا شکر کہ اس مہینے ہمارے پورے اسٹاف کی تنخواہ مل گئی''

اس کے بعد شاہ بلیغ الدین صاحب ایک اور واقعہ تحریر کرتے ہیں:

''ڈاکٹر صاحب کے بارے میں ایک واقعہ میں نے یونیورسٹی میں سنا تھا۔ ایل ایل ایم کی کلاسوں کا اجراء ہوا تو صبح ساڑھے سات بجے سے کلاسیں شروع ہوتی تھیں۔ ڈاکٹر صاحب بھی پڑھاتے تھے۔ پہلے دن یونیورسٹی کی بس میں سوار ہوئے جو ان کے گھر کے قریب سے چلتی تھی، تو چار پانچ طالب علم اس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر صاحب بعد میں داخل ہوئے تو طالب علم کھڑے ہو گئے۔ وہ اندر آ کر اگلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ کنڈیکٹر پہلے انہیں کے پاس پہنچا۔ ڈاکٹر صاحب نے اسے دس روپیہ کا

نوٹ تھمایا۔ دو تین آنے کا اس زمانے میں ٹکٹ تھا۔ جب کنڈیکٹر نے کہا کہ اس کے پاس ریزگاری نہیں ہے تو ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ میرے اکیلے کا ٹکٹ نہیں سب کے ٹکٹ کے پیسے اس میں سے کاٹ لیجئے! وہ دن اور پھر یہ ڈاکٹر صاحب کا معمول ہو گیا کہ صبح کی پہلی بس میں جتنے طالب علم ہوتے سب ان کے ٹکٹ پر سفر کرتے۔ یہ اطلاع عام ہوئی تو کچھ نادار لڑکوں نے پہلی بس پکڑنی شروع کی اور تعداد بہت بڑھ گئی لیکن ڈاکٹر صاحب کے معمول میں فرق نہ آیا۔

ڈاکٹر صاحب اپنے ساتھیوں، عزیزوں، رشتہ داروں اور طالب علموں اور ضرورت مندوں کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ فضول خرچ وہ بالکل نہیں تھے مگر آڑے وقت دینے کے لئے ان کا ہاتھ ہمیشہ کھلا رہتا تھا''

(مجلہ عثمانیہ کراچی، اپریل تا جون ۱۹۹۷ء صفحہ ۲۹)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کے علمی جلوے تو سب دیکھتے ہیں، مگر محقق عصری زندگی میں اس طرح کے جو جگمگاتے نقوش ہیں، ان پر بہت کم نظر ہے۔ علم کی '' چاشنی'' کے ساتھ عمل کی ''تلخی'' گوارا کرنے والے باعظمت انسانوں کے بارے ہی میں اقبالؔ نے کہا تھا:

اس کی امیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دل فریب، اس کی نگاہ دل نواز
نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو
رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل و پاک باز

• مذکورہ دو واقعات کے پس منظر میں اقبالؔ کے یہ اشعار بھی نہایت معنی خیز ہیں:

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں، کار کشا، و کار ساز
خاکی و نوری نہاد، بندۂ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی، اس کا دل بے نیاز

عالم اسلام کی علمی شخصیت ڈاکٹر حمید اللہ

——ڈاکٹر رفیق احمد، مسلم کالج فتح پور (یوپی)

ڈاکٹر حمید اللہ حیدر آباد (دکن) میں ۱۹ر فروری ۱۹۰۸ء کو پیدا ہوئے تھے۔عثمانیہ یونیورسٹی سے تعلیم کی تکمیل کی جہاں ان کو ممتاز عالم دین مولانا مناظر حسن گیلانیؒ سے استفادہ کا موقع ملا۔اعلیٰ تعلیم کے لیے جرمنی تشریف لے گئے جہاں انھوں نے ''اسلام اور انٹرنیشنل لا'' کے موضوع پر مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی سند حاصل کی اور بعد میں ''عہد نبوی اور خلافت راشدہ میں اسلامی سفارت کاری'' کے عنوان پر مقالہ لکھ کی ڈی فل کی سند حاصل کی تھی۔

موصوف نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ قرآن کریم، سیرت رسول، حدیث نبوی، تاریخ اسلام کے مطالعہ کے لیے وقف کر دیا تھا۔آپ کا فرانسیسی زبان میں قرآن کا ترجمہ اتنا مقبول ہوا کہ سیکڑوں ایڈیشن منظر عام پر آچکے ہیں جس کے مطالعہ سے ہزاروں انسانوں کو اسلام کی بیش بہا دولت نصیب ہوئی ہے۔سیرت طیبہ کے موضوع پر اتنا جامع، مستند اور عالمانہ کام اس صدی میں کسی ملک اور کسی زبان میں نہیں ہوا۔موصوف نے پیرس جیسے ترقی یافتہ شہر میں رہ کر ایک سادہ زندگی گزاری اور مال و دولت اور جاہ منصب سے بے نیاز رہ کر اپنی زندگی کی ایک ایک سانس اسلام کی ترویج و اشاعت میں وقف کر دی۔اسلام کی ترویج و اشاعت میں اس قدر مصروف رہے کہ علامہ ابن تیمیہؒ اور امام نوویؒ کی طرح شاید ان کو بھی نکاح کا موقع نہیں مل سکا۔سیرت رسول پر اولین تصنیف سیرت ابن اسحاق جو نایاب تھی موصوف نے بڑی محنت کے بعد مغربی افریقہ سے دستیاب کی اور اسے دوبارہ شائع کیا۔ڈاکٹر موصوف کی تقاریر کا ایک مجموعہ خطبات بہاول پور کے نام سے شائع ہو چکا ہے جو کہ معلومات کا خزانہ ہے۔

ڈاکٹر حمید اللہ نے ان مقامات کا مشاہدہ بھی کیا جن کا ذکر سیرت کی کتابوں میں ملتا ہے۔آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین اور دستاویزات جمع کر کے شائع کئے جن کی تعداد تقریبا چار سو ہے۔ جب بھی مستشرقین نے اسلام کی بنیادوں پر ضرب لگانے کی کوشش کی ،موصوف نے بھرپور اور شافی جواب دیا۔مستشرقین نے حدیث رسول کی تدوین کے سلسلے سے یہ غلط فہمی پیدا کی کہ حدیث کی تدوین رسول ﷺ کے وصال سے تین سو سال بعد ہوئی جس کی وجہ سے ذخیرۂ حدیث پر حرف آتا ہے ستم ظریفی یہ کہ اس طرز فکر سے بہت سے اہل علم مسلمان بھی مستثنیٰ نہیں ہیں ۔اس فکر نے امت مسلمہ کے ایک گروہ کو حدیث کا منکر بنا دیا۔ڈاکٹر حمید اللہ نے صحیفہ ہمام بن منبہ تصنیف کر کے دلائل و براہین کی روشنی میں یہ بات ثابت کر دی کہ احادیث کی جمع تدوین کا کام اسلام کے اولین دور میں بھی ہو رہا تھا موصوف حضرت انس کے مجموعۂ حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

'یہ حضرت انس کا مجموعہ ہے جو کئی ہزار حدیثوں پر مشتمل ہوگا۔یہ ایک حدیث کی کتاب کہی جا سکتی ہے۔صحیح ترین حدیث کی کتاب کیونکہ لکھنے کے بعد خود رسول کریم ﷺ اس پر نظر ثانی فرماتے یعنی سن کر اس کی اصلاح فرماتے ۔ایسی اور مثالیں بھی ملتی ہیں ۔غرض رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے رسول اللہ ﷺ کے حضور میں حدیث کی تدوین ہو رہی تھی ۔'' (خطبات بہاول پور، ص۲۷)

اجتہاد کے سلسلہ میں مرحوم کے افکار نظریات دوسرے علماء سے مختلف ہیں وان کے نزدیک اجتہاد کا دروازہ نہ کبھی بند ہوا ہے اور نہ کبھی بند ہوگا۔موصوف لکھتے ہیں:

''اسلامی قانون کی ترقی کے متعلق اگر اجتہاد کی اجازت نہ دی جاتی تو سب لوگوں کو صرف قرآن وحدیث پر اکتفا کرنا پڑتا اور ممکن تھا کہ کسی وقت بڑے سے بڑا عالم اور فقیہ کو کسی نئے مسئلہ کے متعلق نہ قرآن میں کوئی حکم ملتا اور نہ حدیث میں ۔''

(خطبات بہاول پور، ص۱۳۴)

ڈاکٹر حمید اللہ ایک فرد نہ تھے بلکہ اپنی ذات میں ایک عظیم ادارہ تھے ،ایک طرف تو ان کے علم وفضل کا علم یہ تھا کہ ابوالحسن علی ندویؒ اور امین احسن اصلاحیؒ جیسی بڑی شخصیتیں ان کی مداح وثنا خواں تھیں تو دوسری طرف انکی سادگی ، خاموشی اور منکسر المزاجی کا یہ حال تھا

کہ عام نگاہیں ان کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھیں کہ یہ بھی کوئی عظیم شخصیت ہیں۔آپ کے اندر قناعت پسندی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔دنیا اور متاع دنیا سے بے نیاز تھے،تواضع وخاکساری ان کی فطرت میں تھی،فخر وغرور کا شائبہ ان کے اندر دور دور تک نہیں پایا جاتا تھا،وہ فطری طور پر اعتدال پسند اور سلیم الطبع شخص تھے۔مذہبی جانبداری اور گروہی تعصب سے بالکل پاک تھے وہ تمام مسائل میں درمیانی راستہ اختیار کرتے تھے ۔ڈاکٹر حمید اللہ صحیح معنوں میں قرآن کے عالم تھے،وہ اقبال کے الفاظ میں ''کتاب خواں'' نہیں بلکہ ''صاحب کتاب'' تھے۔انہوں نے قرآن پاک سے جس طرح علمی وفکری رہنمائی حاصل کی تھی اسی طرح عملی زندگی میں بھی اسے برتنے کی کوشش کی۔قرآن ان کے علوم و افکار کا سرچشمہ بھی تھا اور ان کے کردار وعمل کا آئینہ بھی۔اگر کوئی دوسرا ایسی عظیم شخصیت کا مالک ہوتا تو آج اس کی دھوم مچی ہوتی مگر وہ عمر بھر گوشۂ گمنامی میں پڑے رہے اور ان کی برگزیدہ شخصیت سے خاص لوگ ہی واقف رہے۔موصوف ''جستن نام بدترین بدنامی است'' (ناموری کی خواہش بدترین بدنامی ہے) کے قائل رہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ موصوف کے نام سے ایک اکیڈمی کا قیام عمل میں آئے اور جس طرح اہل یوروپ نے شیکسپئیر اور ملٹن اور دوسری اہم شخصیات کے کام کو مرتب کر کے شائع کیا ہے اسی طرح موصوف کے کام کو ایک سیریز میں شائع کیا جائے جو انسائکلو پیڈیا کے طرز پر ہو اور جو ریفرنس کے طور پر استعمال ہو سکے۔اسے قرآن وحدیث،سیرت وتاریخ،فقہ،معاشرت، سیاسیات،معاشیات اور اسی طرح دوسرے عنوانات کے تحت ترتیب دیا جا سکے تاکہ موصوف کی علمی خدمات اور ہمہ گیری کا صحیح اندازہ ہو سکے اور اس عظیم شخصیت کا مقام و مرتبہ دنیا کی نگاہوں کے سامنے اپنے صحیح تناظر کے ساتھ آسکے۔

☆☆

عہد نبوی میں نظام تعلیم

—— ڈاکٹر حمید اللہ

ہمارے پاس بعد ہجرت زمانے کے متعلق جو مواد ہے، اس کو سنہ وار ترتیب دینے کی جگہ فن وار مرتب کرنا زیادہ سہولت بخش ہوگا۔ مثلاً مدرسوں کا انتظام، امتحانات، اقامت خانے، ابتدائی تعلیم اور لکھنا پڑھنا سکھانے کا بندوبست، اجنبی زبانوں کی تعلیم، نصاب تعلیم، عورتوں کی تعلیم، صوبہ جات میں دورہ اور تنقیح کرنے والے افسر وغیرہ۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے بھی پہلے ایک معلم کو مدینہ منورہ روانہ کیا تھا جس کے کارنامے تاریخ نے محفوظ رکھے ہیں۔ جب ہجرت کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مدینہ منورہ پہنچے تو بے شمار اور بے حد اہم جنگی اور سیاسی مصروفیات کے باوجود آپ اس کے لئے وقت نکال کیا کرتے تھے کہ مدینہ منورہ سے ناخواندگی کو دور کرنے کے کام کی شخصی طور سے نگرانی کرسکیں۔ چنانچہ اس سلسلے میں آپ نے سعید بن العاص کا تقرر کیا تھا کہ لوگوں کو لکھنے اور پڑھنے کی تعلیم دیں یہ بہت خوشنویس بھی تھے۔ ایک دوسرے راوی کے الفاظ میں ان کو ''معلم حکمت'' بنایا گیا تھا۔ جس سے لکھنے پڑھنے کو جو عظیم اہمیت دی جاتی ہے اس کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواندگی سے اتنی دلچسپی تھی کہ ہجرت کے ڈیڑھ ہی سال بعد جب ساٹھ ستر کے والے جنگ بدر میں گرفتار ہو کر مدینہ لائے گئے تو آپ نے ان لوگوں کی جو مال دار نہ تھے، رہائی کے لئے یہ فدیہ مقرر کیا تھا کہ مدینہ کے دس دس بچوں کو لکھنا سکھائیں۔ حضرت عبادہ ابن الصامت کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے صفے میں اس غرض سے مامور کیا تھا کہ لوگوں کو لکھنے کی اور قرآن کریم کی تعلیم دوں۔ صفے سے مراد مکان کا ملحق حصہ ہوتا ہے۔ یہ مسجد نبوی میں ایک احاطہ تھا، جو اس غرض کے لئے مختص کر دیا گیا تھا کہ باہر سے تعلیم کے لئے آنے والوں بلکہ خود مقامی بے گھرے طالب علموں کے لئے دارالاقامے کا بھی کام دے اور مدرسے کا بھی۔ اس اقامتی درسگاہ میں لکھنے پڑھنے کے علاوہ فقہ کی تعلیم دی جاتی

تھی۔ قرآن مجید کی صورتیں زبانی یاد کرائی جاتی تھیں۔ فن تجوید سکھایا جاتا تھا اور دیگر اسلامی علوم کی تعلیم کا بندوبست تھا جس کی نگرانی خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم شخصی طور سے فرمایا کرتے تھے اور وہاں رہنے والوں کی غذا وغیرہ کا بندوبست کیا کرتے تھے۔ یہ طلبہ اپنی فرصت کے گھنٹوں میں طلب روزگار میں بھی مصروف ہوا کرتے تھے۔ درسگاہ صفہ میں نہ صرف مقیم طلبہ کی تعلیم کا انتظام تھا بلکہ ایسے بھی بہت سے لوگ آتے تھے جن کے مدینے میں گھر تھے اور وہ صرف درس کے لئے وہاں حاضر ہوا کرتے تھے۔ وقتاً فوقتاً عارضی طور سے درسگاہ میں شریک ہونے والوں کی بھی کمی نہ تھی۔ مقیم طلبہ کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔ اور ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک وقت ان کی تعداد ستر بھی تھی۔ صفے کو ظلہ یعنی سائبان بھی کہتے تھے۔ مقامی طلبہ کے علاوہ دور دراز کے قبائل سے بھی طلبہ آتے اور اپنا ضروری نصاب تکمیل کر کے اپنے وطنوں کو واپس ہو جاتے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اپنے کسی تربیت یافتہ صحابی کو قبائلی وفود کے ساتھ ان کے مسکنوں کو روانہ کر دیتے تا کہ وہ اس علاقے میں دینیات کی تعلیم کا بندوبست کریں جس کے بعد وہ مدینہ واپس آ جاتے۔ ہجرت کے ابتدائی سالوں میں معلوم ہوتا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مستقل طریقہ تھا کہ جب مدینے کے باہر لوگ مسلمان ہوتے تو ان کو حکم دیا جاتا کہ ترک وطن کر کے مرکز اسلام کے قریب آ بسیں، جہاں بعض وقت ان کو اپنی نو آبادی بسانے کے لئے سرکاری زمینیں بھی دی جاتیں۔ ترک وطن کے اس حکم میں فوجی، سیاسی اور تمدنی جو اغراض پوشیدہ تھے وہ ظاہر ہیں۔ ابن سعد نے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قبیلے میں جو نیا نیا مسلمان ہوا تھا، ایک معلم روانہ کیا، معلموں کو ہجرت کے متعلق جو عام ہدایتیں تھی، اس کی انہوں نے لفظی تعمیل کی اور کہنا شروع کیا کہ جو ہجرت نہ کرے وہ مسلمان ہی نہیں سمجھا جائے گا۔ قبیلے والے پریشان ہوئے مگر وہ تھے سمجھ دار۔ انہوں نے اپنا ایک وفد مدینہ روانہ کیا تا کہ براہ راست جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم کریں کہ ہجرت کے حکم کا کیا منشاء ہے؟ اور یہ عرض کریں کہ انہیں اجازت دی جائے کہ وہ اپنے وطن ہی میں رہیں اور ان کے ساتھ وہی سلوک ملحوظ رکھا جائے گا جو اسلامی سرزمین میں ہجرت کرنے والوں کے ساتھ رکھا جاتا تھا۔

مدنی زندگی میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مستقل سیاست (طریقہ) تھی

کہ قبائل میں تعلیم وتربیت کے لئے معلم روانہ کریں۔ بیر معونہ کے مشہور واقعہ میں ستر قاریان قرآن بھیجے گئے تھے۔ جس کا ذکر صحیح بخاری (کتاب المغازی، باب ۲۸ غزوۃ الرجیع، حدیث ۲،۵) میں ہے۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ انہیں نجد کے ایک آباد علاقے میں کثیر قبائل میں کام کرنا تھا۔ قبائلی نمائندوں کا تعلیم کی غرض سے مدینہ آنا بھی کوئی شاذ و نادر واقعہ نہ تھا۔ اور جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ایسے لوگوں کے قیام وطعام اور تعلیم وتربیت کی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود شخصی طور سے نگرانی فرماتے تھے اور یہ لوگ عموماً صفے میں ٹھہرائے جاتے تھے۔ مدینہ منورہ میں صفہ واحد درسگاہ نہ تھی بلکہ یہاں کم از کم نو مسجدیں خود عہد نبوی میں تھیں، اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ ہر مسجد اپنے آس پاس کے محلے والوں کے لئے درس گاہ کا بھی کام دیتی تھی، خاص کر بچے وہاں پڑھنے آیا کرتے تھے۔ قباء مدینہ منورہ کے جنوب میں مسجد نبوی سے کوئی دو ڈھائی میل پر واقع ہے۔ بیان کیا جاتا ہے وقتاً فوقتاً رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے جاتے اور وہاں کی مسجد کے مدرسے کی شخصی طور سے نگرانی فرماتے۔ بعض احادیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عام حکم ان لوگوں کے متعلق محفوظ ہیں، جو اپنے محلے کی مسجد کے مدرسے میں تعلیم پاتے تھے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی احکام صادر کئے تھے کہ لوگ اپنے ہمسایوں سے تعلیم حاصل کیا کریں۔ ایک دلچسپ واقعہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے بیان کیا ہے کہ ایک دن جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ وہاں دو قسم کے لوگ موجود ہیں کچھ لوگ نوافل اور خدا کی عبادت میں مشغول تھے اور کچھ لوگ فقہ کی تعلیم میں منہمک۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دونوں ہی لوگ اچھا کام کر رہے ہیں البتہ ایک کام زیادہ اچھا ہے جو لوگ خدا سے کچھ مانگ رہے ہیں ان کے متعلق خدا کی مرضی ہے کہ چاہے تو دے چاہے نہ دے، البتہ دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو علم حاصل کر رہے ہیں اور جہالت کو دور کر رہے ہیں، سچ تو یہ ہے کہ میں معلم ہی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ یہ کہتے ہوئے آپ نے اس حلقے میں اپنے لئے جگہ بنائی جہاں درس ہو رہا تھا۔ یہاں اس مشہور اور اکثر حوالہ دی جانے والی حدیث کا ذکر کیا جا سکتا ہے کہ شیطان پر ایک عالم، ایک ہزار عابدوں سے زیادہ سخت گزرتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی شخصی طور سے اعلیٰ تعلیم

دیا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ وغیرہ بڑے صحابہ ان درسوں میں شریک رہا کرتے تھے، جہاں قرآن وغیرہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی کے حلقہ ہائے درس کا اکثر معائنہ کیا کرتے تھے۔ اگر وہاں کوئی بے عنوانی نظر آتی تو فوراً تدارک فرما دیا کرتے۔ چنانچہ ترمذی میں ہے کہ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قضاء وقدر کے متعلق کچھ مباحثہ ہوتے سنا۔ آپ اپنے حجرے سے باہر آئے۔ مارے غصے کے آپ کا چہرہ تمتمارہا تھا اور راوی کے الفاظ میں ایسا معلوم ہورہا تھا کہ انار کا رس آپ کے رخساروں اور پیشانی پر نچوڑ دیا گیا ہے۔ آپ نے اس موضوع پر بحث مباحثے سے منع کر دیا اور ارشاد فرمایا کہ بہت سی گذشتہ امتیں اسی مسئلے میں الجھ کر گمراہ ہو گئی تھیں۔ یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک طے شدہ سیاست تھی کہ صرف وہی لوگ قوم کی سیادت، سرداری اور رہنمائی کریں اور نتیجتاً مسجدوں میں امام بنیں جو قرآن مجید اور سنت کے زیادہ سے زیادہ ماہر ہوں۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں بیان کیا گیا ہے۔

یہ کوششیں بیکار نہ گئیں اور خواندگی میں اس قدر تیزی سے ترقی ہوئی کہ ہجرت کو چند ہی دن گزرے تھے کہ قرآن مجید نے حکم دیا کہ ہر وہ تجارتی معاملہ جس میں رقم ادھار ہو، صرف تحریری طور سے انجام پائے اور ایسے دستاویز پر کم از کم دو اشخاص کی گواہی لی جایا کرے۔ اس کا منشاء قرآن کے الفاظ میں یہ تھا کہ اس طرح کی تحریری گواہی خدا کے نزدیک زیادہ منصفانہ ہے، اور شہادت کے اغراض کے لئے زیادہ مستحکم وسیلہ ہے، اور شبہات پیدا ہونے کی صورت میں رفع شک کا بہترین ذریعہ ہے۔ مدینے میں خواندگی کی کثرت ہو جانے کے باعث اس حکم سے کوئی دشواری پیش نہیں آئی کہ پیشہ ور کاتبوں کا بھی اس زمانے میں پتہ چلتا ہے ہجرت کے بعد سے ہی سیاسی معاہدات، سرکاری خط وکتابت، ہر فوجی مہم میں جانے والے رضا کاروں کے ناموں کی فہرستیں، مختلف مقامات مثلاً مکہ، نجد، خیبر، اوطاس وغیرہ میں خفیہ نامہ نگار جو عموماً تحریری طور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے مقام کے حالات سے اطلاع دیا کرتے تھے، نیز مردم شماری اور اسی طرح کی بہت سی چیزیں اس بات میں ممد ومعاون ہوئیں کہ خواندگی روز بروز بڑھتی ہی جائے۔ تاریخ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی ڈھائی تین سو خطوط محفوظ رکھے ہیں۔ صحیح تعداد اس سے بہت زیادہ

ہونی چاہئے۔ کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت دس لاکھ سے زائد مربع میل کے علاقے پر چلتی تھی اور دس سال تک حکمرانی کے فرائض آپ کو انجام دینے پڑے تھے۔

عرب میں خطوط پر مہر کرنے کا رواج سب سے پہلے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے شروع ہوا۔ آپ کو خط کی صفائی اور وضاحت کا جس قدر لحاظ رہتا تھا، اس کا اندازہ ان چند احادیث سے ایک حد تک ہوسکتا ہے جن میں آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ کاغذ کو موڑنے سے پہلے اس کی سیاہی کو ریگ ڈال کر خشک کرلو یا یہ کہ حرف (س) کے تینوں شوشے برابر دیا کرو اور اس کے بغیر شوشوں کے نہ لکھا کرو، یعنی (س) غالباً یہ حکم اس لئے تھا کہ شوشے نہ دینا احتیاط پسندی کے فقدان اور سستی پر دلالت کرتا ہے۔ یا یہ کہ لکھتے ہوئے اگر کچھ رکنا پڑے تو کاتب کو چاہئے کہ قلم اپنے کان پر رکھ لے، کیونکہ اس سے لکھوانے والے کی زیادہ آسانی سے یاددہانی ہوجاتی ہے، بولنے میں ذہن منتشر ہوجاتا ہے۔

عہد نبوی ہی میں یک فنی ذوق یا تخصص بھی ترقی کر گیا تھا۔ اور خود جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اس کی حوصلہ افزائی فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جس کو قرآن سیکھنا ہو وہ فلاں صحابی کے پاس جائے جس کو تجوید یا تقسیم ترکہ کا حساب سیکھنا ہو وہ فلاں کے پاس جائے وغیرہ متعدد حدیثوں میں معلموں کو معاوضہ قبول کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ عبادہ بن صامتؓ کی روایت ہے کہ وہ درسگاہ صفہ میں قرآن اور فن تحریر کی تعلیم دیتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شاگرد نے انہیں ایک کمان نذر کی، مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس کے قبول کرنے سے روک دیا۔

ایک مملکت کے حاکم اعلیٰ کی حیثیت سے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو مترجمین کی بھی ضرورت ہوا کرتی تھی جو غیر زبانیں جانتے ہوں۔ چنانچہ حضرت زید بن ثابتؓ جو دربار رسالت کے منشی کہے جاسکتے ہیں فارسی، حبشی عبرانی اور رومی (یونانی) جانتے تھے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ان کو حکم دیا تھا کہ عبرانی خط لکھنا اور پڑھنا بھی سیکھ لیں، اور چند ہفتوں میں وہ اس میں طاق ہوگئے تھے۔ چنانچہ یہودیوں کو اگر خط بھیجا جاتا یا ان کے پاس سے کوئی خط آتا تو حضرت زید بن ثابت اس کو لکھ یا پڑھ لیا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے متعلق بھی مشہور ہے کہ کثیر زبانیں جانتے تھے۔ معلوم نہیں مبالغہ

ہے یا واقعہ کہ ان کے پاس ایک سو غلام ایسے تھے جن میں سے ہر ایک کی بولی الگ الگ تھی، اور حضرت عبداللہ ان میں سے ہر ایک سے اسی کی زبان میں گفتگو کیا کرتے تھے۔

نصاب کا مسئلہ ایسا ہے کہ اس پر پوری صحت کے ساتھ بیان کرنا دشواری سے خالی نہیں۔ ہمارے پاس جو مختصر محدود مواد ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہر جگہ ایک ہی نصاب جاری نہ تھا۔ معینہ کتب کو پڑھانے کی جگہ معینہ معلم کے پاس لوگ جاتے اور وہ جو پڑھا سکتا اسے پڑھتے۔ بہر حال اتنا معلوم ہوتا ہے کہ قرآن وسنت کے ہمہ گیر نصاب کے علاوہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ نشانہ بازی پیرا کی، تقسیم ترکہ کی ریاضی، مبادی طب، علم ہیئت، علم انساب اور علم تجوید قرآن کی تعلیم دی جایا کرے۔ ایک حدیث میں یہ حکم ہے کہ استاد کی عزت کی جائے یا علم بغیر عمل کے بے سود ہے، وغیرہ

مکے کے باشندوں کو زبان کی صفائی کا بے حد لحاظ رہتا تھا۔ اور وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ ان کے بچے صحراء کی آزاد زندگی میں پرورش پائیں۔ اور مکے کی رنگا رنگ کی آبادی میں مل کر متاثر نہ ہوں۔ اسی لئے وہ اپنے نوزائیدہ بچوں کو مختلف قبائل میں بھیج دیتے تھے۔ جہاں وہ کئی سال رک کر والدین کے پاس آتے۔ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس سے سابقہ رہا تھا اور آئندہ زندگی میں آپ اسے یاد کیا کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ معززین مکہ میں اس کا رواج آج چودھویں صدی ہجری کے وسط میں بھی چلا آتا ہے۔

تربیت دلانے کا ایک دوسرا طریقہ مکے والوں نے یہ اختیار کیا تھا کہ تجارت کے لئے جو کارواں جایا کرتے تھے، اس میں کسی معمر کے ساتھ نوعمروں کو بھیج دیا کریں۔ چونکہ مکے کی معاشی زندگی کا دارومدار بہت بڑی حد تک تجارت پر تھا، اس لیے تربیت کے اس طریقے کی اہمیت مکے والوں کے لئے جیسی کچھ تھی ظاہر ہے۔ سفر کے تجارب کا فائدہ ماسوا تھا۔ اس زمانے میں نوعمروں اور معمروں کی تعلیمی ضرورتوں کے فرق کو محسوس کر لیا گیا تھا۔ چنانچہ احادیث میں واضح الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ بچوں کو کن چیزوں کی تعلیم دینی چاہئے۔ نشانہ اندازی اور پیرا کی خاص طور سے بچپن ہی سے سکھائی جاتی تھی۔ اسی طرح نماز پڑھنے کا طریقہ بھی بچپن ہی سے بچوں کو سکھایا جاتا تھا اور سات برس کی عمر کے بعد بچے نماز نہ پڑھیں توانہیں سزا دینے کا حکم تھا۔ ☆☆

فاؤنڈیشن کی اہم مطبوعات

صحیح بخاری کا مطالعہ حصہ اول (قسط اول، دوم) شبیر احمد ازہر میرٹھی

خالصتاً ایک سنجیدہ، علمی و مدلل کتاب جس میں فن حدیث کے مسلمہ اصول وضوابط کی روشنی میں بخاری کے اندر موجود 150 سے زائد کمزور روایات کی تنقید وتحقیق کی گئی ہے۔ اسلوب بیان سادہ اور بالکل عام فہم، اپنے موضوع پر ایک منفرد کتاب، مؤلف عصر حاضر کے مایہ ناز محدث ومفسر ہیں۔

قسط اول صفحات ۲۶۶ قیمت صرف ۱۰۰ روپے

قسط دوم صفحات ۳۹۲ قیمت ۱۵۰ روپے

احادیث دجال کا تحقیقی مطالعہ شبیر احمد ازہر میرٹھی

خروج دجال کا معاملہ معروف ومشہور ہے، بعض لوگوں نے اسے عقائد میں بھی شامل کر رکھا ہے اور روایات دجال کو متواتر قرار دے کر اس پر نقد کرنے والوں کی تفسیق وتضلیل کی جاتی ہے۔ بعض لوگوں نے انہیں روایات کی بنیاد پر عجیب عجیب افکار وخیالات ایجاد کیے ہیں۔ علامہ میرٹھی نے اس تحقیقی مختصر کتاب میں اس سلسلہ کی ایک ایک روایت کی فن حدیث کے مسلمہ اصولوں کے مطابق تحقیق وتنقید کی اور انہیں یکسر مسترد کر دیا ہے۔ لہذا مسئلہ کے اجماعی ہونے کا دعوی بھی بے بنیاد ہے۔

صفحات ۱۳۶ قیمت صرف ۴۰ روپے

قدس مسلمانان عالم کا مسئلہ: تحریر: علامہ ڈاکٹر یوسف القرضاوی

(القدس قضية كل مسلم) ترجمانی: غطریف شہباز ندوی

بیت المقدس اور ارض فلسطین کی شرعی وتاریخی حیثیت، القدس کو زبردستی یہودیانا۔ ہمارے اور اسرائیل کے درمیان معرکہ کی اصل بنیاد، صیہونیت پوری دنیا کے لئے خطرہ، امریکہ اور اسرائیل، امن کا سراب، مسئلہ فلسطین کے مسلمانوں سے مطالبات وغیرہ۔ اہم عنوانات پر مختصر اور جامع تجزیہ۔ زبان رواں اور سادہ، ترجمانی شگفتہ اور سلیس۔

صفحات تقریباً ۱۵۰ قیمت صرف ۵۰/روپے

فاؤنڈیشن کی دیگر اہم مطبوعات

	مصنف	قیمت
۱۔ تفسیر مفتاح القرآن (فاتحہ البقرہ دو جلد)	علامہ شبیر احمد ازہر میرٹھی	۱۰۰
۲۔ تفسیر مفتاح القرآن (آل عمران)	علامہ شبیر احمد ازہر میرٹھی	۲۰۰
۳۔ تفسیر مفتاح القرآن (النساء)	علامہ شبیر احمد ازہر میرٹھی	۲۰۰
۴۔ تفسیر مفتاح القرآن (المائدہ)	علامہ شبیر احمد ازہر میرٹھی	۷۰
۵۔ تفسیر مفتاح القرآن (الانعام)	علامہ شبیر احمد ازہر میرٹھی	۷۰
۶۔ تفسیر مفتاح القرآن (الاعراف)	علامہ شبیر احمد ازہر میرٹھی	زیرِ طبع
۷۔ تفسیر مفتاح القرآن (سورہ النور، تحقیق واقعۂ افک)	علامہ شبیر احمد ازہر میرٹھی	۵۰
۸۔ شرح مسند احمد بن حنبل نہایت التحقیق (پہلا حصہ)	علامہ شبیر احمد ازہر میرٹھی	۲۵۰
۹۔ تحقیق مشاجرات صحابہ (شہادت عثمانؓ و فتنۂ حرہ)	علامہ شبیر احمد ازہر میرٹھی	زیرِ طبع
۱۰۔ تقریب المامول فی اصول حدیث الرسول	علامہ شبیر احمد ازہر میرٹھی	زیرِ طبع
۱۱۔ بخاری کا مطالعہ حصہ اول (قسط اول، دوم)	علامہ شبیر احمد ازہر میرٹھی	۲۵۰
۱۲۔ احادیث دجال کا تحقیقی مطالعہ	علامہ شبیر احمد ازہر میرٹھی	۴۰
۱۳۔ رسالہ احسان و ذکر	علامہ شبیر احمد ازہر میرٹھی	زیرِ طبع
۱۴۔ چار باتیں	علامہ شبیر احمد ازہر میرٹھی	۲۰
۱۵۔ جہاد عصر حاضر کے تناظر میں	غطریف شہباز ندوی	۲۱۰
۱۶۔ فلسطین کا معذور مجاہد	غطریف شہباز ندوی	۲۵
۱۷۔ فلسطین میں یہودیوں ظلم و جبر کی داستان	غطریف شہباز ندوی	۲۵
۱۸۔ مجدد علوم سیرت ڈاکٹر محمد حمید اللہ	غطریف شہباز ندوی	۲۵
۱۹۔ القدس مسلمانان عالم کا مسئلہ	غطریف شہباز ندوی	زیرِ طبع